ترجمہ: اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو السمٰوات والارض میں ہے اور وہی زبردست دانا ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو ہر طرح کی تسبیح اور تحمید کے لائق ہے۔ ساری کائنات کی ہر چیز اسی کی تسبیح اور تحمید کر رہی ہیں۔ اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ ساری کائنات کا اکیلا مالک ہے۔ صرف اسی کی سلطنت ہے۔ صرف اسی کی پادشاہی ہے۔

له ملک السمٰوٰت والارض (الحدید:۲)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں پادشاہی صرف اسی کی ہے۔

پادشاہی صرف اسی کی اس لیے ہے کہ ساری کائنات کو صرف اسی نے پیدا کیا اور وہی اسے موت دیتا ہے۔

یحیی ویمیت (الحدید:۲)

ترجمہ: وہی مارتا ہے اور وہی جلاتا ہے۔

نہ کوئی پیدا کرتا ہے نہ پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح نہ کوئی مارتا ہے اور نہ مار سکتا ہے۔ اور یہ وہی کر سکتا ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

وھو علی کل شئی قدیر (الحدید:۲)

ترجمہ: اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وہ کائنات کی ہر چیز پر، ہر وقت، ہر اعتبار سے قدرت رکھتا ہے۔

(ب) اور ایسی ذات جو (۱) آسمانوں اور زمین کا مالک ہو (۲) کائنات کی ہر چیز کو پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور (۳) ہر چیز پر ہر اعتبار سے قدرت رکھتا ہے۔

وہ صرف ایک ایسی ذات ہی ہو سکتی ہے جو درج ذیل چار صفات سے متصف ہو:

(۱) اوّل (۲) آخر (۳) ظاہر اور (۴) باطن

چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

aamirmehmood7000

کر ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اور اسی کے افعال اور اس کے نور کا ظہور ہے۔ اور وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے کیونکہ حواس سے اس کی ذات کو محسوس کرنا تو درکنار عقل و فکر و خیال تک اس کی کنہ و حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ اس کی بہترین تفسیر نبی ﷺ کی ایک دعاء کے یہ الفاظ ہیں۔ جنہیں امام احمد، مسلم، ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے اور حافظ ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے:

انت الاوّل فلیس قبلک شئی	تو ہی پہلا ہے، کوئی تجھ سے پہلے نہیں
وانت الآخر فلیس بعدك شئی	تو ہی آخر ہے، کوئی تیرے بعد نہیں
وانت الظاهر فلیس فوقک شئی	تو ہی ظاہر ہے، کوئی تجھ سے اوپر نہیں
وانت الباطن فلیس دونک شئی	تو ہی باطن ہے، کوئی تجھ سے مخفی تر نہیں

(ج) "هو الاول والآخر والظاهر والباطن" سے جو کچھ مراد ہے اور یہ صفات جن باتوں اور جہتوں کا احاطہ کرتی ہیں انہیں اگر یکجا کر دیا جائے تو وہ تقریباً وہی امور ہوں گے جنہیں امام طحاوی نے اس طرح یکجا کیا ہے:

(۱) أن الله واحد :	اللہ ایک ہے۔
(۲) لا شریک له:	اس کا کوئی شریک نہیں
(۳) انواع التوحید الذی دعت الیه الرسل :	وہ کل توحید جس کی طرف رسولوں نے دعوت دی
(۴) ولاشئی مثله:	کوئی شئی اس کی مثل نہیں
(۵) ولا شئی یعجزهٗ:	کوئی شئے اسے عاجز کرنے والی نہیں
(۶) ولا اله غیرهٗ :	اس کے علاوہ کوئی الہ نہیں
(۷) قدیم بلا ابتداء:	وہ قدیم ہے اس کی ابتداء نہیں
(۸) دائم بلاانتهاء:	وہ دائم ہے اس کی انتہا نہیں
(۹) لا یفنی ولا یبید:	وہ نہ فنا ہوتا ہے نہ ہلاک

(۱۰) ولا یکون الا مایرید: اس کے ارادے کے بغیر کچھ نہیں ہوتا

(۱۱) لا تبلغه الاوهام، ولا تدرکه الافهام:

اسے اوہام نہیں پا سکتے نہ عقل اسے دیکھ سکتی ہے۔

aamirmehmood7000

Copyrighted material

(۱۲) ولا یشبہ الانام: وہ خلق میں کسی کے مثل نہیں

(۱۳) حی لا یموت: وہ زندہ ہے اسے موت نہیں

(۱۴) قیوم لا ینام: وہ قائم ہے غافل نہیں ہوتا

(۱۵) خالق بلا حاجة: وہ پیدا کرنے والا ہے اور اس میں اس کی کوئی حاجت نہیں

(۱۶) رازق بلا مؤنة: رزق دینے والا ہے بے حساب

(۱۷) ممیت بلا مخافة: وہ مارنے والا ہے اور اسے کوئی خوف نہیں

(۱۸) باعث بلا مشقة: وہ باعث ہے اسے اس میں کوئی مشقت نہیں ہوتی

(۱۹) مازال بصفاته قدیماقبل خلقه، لم یزددبکونهم لم یکن قبلهم من صفته وکما کان بصفاته ازلیا، کذلک لا یزال علیها ابدیا۔

وہ اپنی صفت کے ساتھ قدیم ہے خلق سے پہلے۔ تکوین کے سبب اسکی صفت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا بلکہ وہ ہمیشہ سے تھی۔ اس طرح وہ ہمیشہ رہے گی۔

(۲۰) لیس منذ الخلق الخلق استفاد اسم الخالق ولا باحداثه البریة استفاد، اسم الباری:

وہ خلق کے خلق کے بعد اسم الخالق سے استفادہ نہیں کرتا نہ بریۃ کے حدوث کے بعد اسم الباری سے استفادہ کرتا ہے۔

(۲۱) له معنی الربوبیة ولامر بوب ومعنی الخالق ولا مخلوق:

ربوبیت اس کے لیے ہے اور وہ مربوب نہیں اس کے لیے "الخالق" ہے وہ مخلوق نہیں۔

(۲۲) وکما انه محیی الموتی بعد ما احیا استحق هذا الاسم قبل احیائهم کذلک استحق اسم الخالق قبل انشائهم

ہر چند کہ وہ زندوں کو موت دیتا ہے اس کے بعد بھی کہ اسی نے زندگی دی تھی تاہم اس کا یہ نام اس کے احیاء کرنے سے قبل اسکے لیے خاص تھا۔ اسی طرح انشاء سے قبل ہی اس کے لیے الخالق نام خاص ہے۔

(۲۳) ذلک بانه علی کل شئی قدیر وکل شئی الیه فقیر، وکل امر علیه یسیر، لا یحتاج الی شئی لیس کمثله شئی وهو السمیع

کسی شئے کا محتاج نہیں اس کے جیسا کوئی نہیں اور وہ سب کو سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

(۲۴) خلق الخق بعلمه: اس نے اپنے علم سے خلق کو پیدا فرمایا

(۲۵) وقدر لهم اقدار: اور اس کے لیے اندازے رکھے

(۲۶) وضرب لهم آجالا: اور اس کی مدت مقرر کی

(۲۷) ولم يخف عليه شئى قبل ان يخلقهم وعلم ماهم عاملون قبل ان يخلقهم:

خلق سے قبل خلق کے بعد کی کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور کسی عمل کا علم اسے اس عمل کے صادر ہونے سے پہلے سے ہے۔

(۲۸) وأمرهم بطاعته ونهاهم عن معصيته :

اس کا حکم ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے۔

(۲۹) وكل شئى يجرى بتقديره ومشيئته مشيئته تنفذ، لا مشئة للعباد الا ما شاء لهم فما شاء لهم كان ومالم يشاء لم يكن:

تمام چیزیں اس کے مقرر کردہ اندازے سے چل رہی ہیں اور اس کی مشیت سے، اس کی مشیت نافذ ہو کر رہتی ہے، بندوں کی کوئی مشیت نہیں مگر یہ کہ وہ ان کے لیے چاہے۔ لہٰذا جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

(۳۰) يهدى من يشاء ويعصم ويعافى فضلاً ويضل من يشاء ويخذل ويبتلى، عدلا:

وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اپنے فضل سے محفوظ رکھتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور اس کا کسی کو نامراد کر دینا اور مصیبتوں میں مبتلا کر دینا عدل پر قائم ہوتا ہے۔

(۳۱) وكلهم يتقلبون فى مشئته بين فضله وعدله:

ہر شئے اس کی مشیت کے فضل اور عدل کے مابین بدلتی ہے۔

(۳۲) هو متعال عن الاضداد والانداد:

aamirmehmood7000

کسی شئے کا محتاج نہیں اس کے جیسا کوئی نہیں اور وہ سب کو سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

(۲۴) خلق الخق بعلمه: اس نے اپنے علم سے خلق کو پیدا فرمایا

(۲۵) وقدر لهم اقدار: اور اس کے لیے اندازے رکھے

(۲۶) وضرب لهم آجالا: اور اس کی مدت مقرر کی

(۲۷) ولم يخف عليه شئى قبل ان يخلقهم وعلم ما هم عاملون قبل ان يخلقهم:

خلق سے قبل خلق کے بعد کی کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور کسی عمل کا علم اسے اس عمل کے صادر ہونے سے پہلے سے ہے۔

(۲۸) وأمرهم بطاعته ونهاهم عن معصيته :

اس کا حکم ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے۔

(۲۹) وكل شئى يجرى بتقديره ومشيئته مشيئته تنفذ، لا مشئة للعباد الا ما شاء لهم فما شاء لهم كان ومالم يشاء لم يكن:

تمام چیزیں اس کے مقرر کردہ اندازے سے چل رہی ہیں اور اس کی مشیت سے، اس کی مشیت نافذ ہو کر رہتی ہے، بندوں کی کوئی مشیت نہیں مگر یہ کہ وہ ان کے لیے چاہے۔ لہٰذا جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

(۳۰) يهدى من يشاء ويعصم ويعافى فضلاً ويضل من يشاء ويخذل ويبتلى، عدلا:

وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اپنے فضل سے محفوظ رکھتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور اس کا کسی کو نامراد کر دینا اور مصیبتوں میں مبتلا کر دینا عدل پر قائم ہوتا ہے۔

(۳۱) وكلهم يتقلبون فى مشئته بين فضله وعدله:

ہر شئے اس کی مشیت کے فضل اور عدل کے مابین بدلتی ہے۔

(۳۲) هو متعال عن الاضداد والانداد:

وہ اضداد اور انداد سے اوپر ہے۔

aamirmehmood7000@

اس کے فیصلے کو کوئی بدل نہیں سکتا اور اس کے حکم کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ اور اس کے حکم پر کسی کو اختیار نہیں۔

منصوبۂ تکوین

اس اللہ تعالیٰ نے جو اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے اپنے ارادۂ خاص کے تحت اس کائنات کو پیدا فرمایا۔ اس تکوین اور تخلیق کے عمل کے پیچھے ایک مقصد ہے جو وہ جانتا ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے وہ تدبیر عالم کو روبہ عمل لاتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

"وھو الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش۔ یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا، وھو معکم این ماکنتم واللہ بما تعملون بصیر۔ لہ ملک السمٰوٰت والارض والی اللہ ترجع الامور۔ یولج الیل فی النھار ویولج النھار فی الیل وھو علیم بذات الصدور" (الحدید:۶۔۴)

ترجمہ: وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ اس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے۔ اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔ وہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک ہے اور تمام معاملات فیصلے کے لیے اسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں۔ وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔

منصوبۂ تخلیق

تخلیق کے اسی عمل میں اس نے عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت، جہنم، ملائکہ، آسمان، زمین، جمادات، نباتات، حیوانات، جن اور اسی طرح اربوں کھربوں دیگر مخلوقات پیدا کیں۔ ان سب کی پیدائش میں اس کا وہ ارادۂ خاص اور مقصد خاص ہمیشہ پنہاں رہا۔ یہاں تک کہ اس نے کائنات میں اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے ساری مخلوقات میں اعلان کر دیا کہ اس نے ارض (یہاں ارض یا زمین وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں جس کی تشریح بعد کے ابواب میں آئے

aamirmehmood7000©
Copyrighted material

گی) میں اپنی خلافت کو متمکن کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہاں فی الارض میں فی تمکن و تمکین کے لیے ہے نہ کہ خلافت ارضی کے اعتبار سے۔ چونکہ اب تک زمین پر جو مخلوقات برپا کی گئی تھیں انہوں نے فساد ہی برپا کیا تھا اور اس طرح زمین فساد سے بھری ہوئی مشہور ہو چکی تھی لہٰذا اس شبہ کا ابھارنا عین ممکن تھا کہ اگر وہ خلیفہ زمین میں پیدا کیا گیا تو وہ بالآخر فساد ہی فساد کرے گا اور خون ہی خون بہائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ نہیں۔ میں زمین میں ایک ایسی مخلوق کو متمکن کروں گا جو میرے منصوبے کو پورا کرے گی اور تمہارے اندیشے غلط ہو جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بنایا اور اسے اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ اس آدم کو سجدہ کریں جو پوری کائنات میں رب العالمین کے ذریعہ خلیفۃ اللہ بنایا گیا ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے اللہ کا حکم بجالاتے ہوئے سجدہ کیا۔

یہی حکم جنوں کو بھی دیا گیا جو اس وقت تک اللہ کی کائنات کی سب سے اعلیٰ مخلوق تھے۔ اللہ کی ربوبیت جس منصوبے پر عمل کر رہی تھی اس کے تحت تخلیق آدم سے قبل کی اعلیٰ ترین مخلوق جن تھے جو آگ سے بنائے گئے تھے۔ یقیناً آدم کی تخلیق سے قبل تمام مخلوقات کو یہی امید تھی کہ منصوبۂ ربانی جس ارتقاء کی طرف جا رہا ہے اس کے تحت یہی جن رب العالمین کی عطا کی جانے والی خلافت کے مستحق قرار پائیں گے۔ لیکن انہوں نے اپنی تخلیق کے بعد فساد ہی فساد برپا کیا اور زمین کو فساد سے بھر دیا اور ہر طرف خون ہی خون بہایا۔ انواع نور، انواع ارض اور انواع نار میں سے یہ انواع نار ہی وہ واحد مخلوق تھے جن کے جوہر قابل نے انہیں اس لائق بنایا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں انواع نور اور انواع ارض کے مقابلے میں اختیارات سے نوازتا۔ (انواع نور اور انواع نار کا تفصیلی تذکرہ آئندہ محاور میں آئے گا) چنانچہ انہیں دیگر مخلوقات کے مقابلے میں اختیار سے نوازا گیا۔ غالباً وہ پہلی یا دوسری مخلوق تھی جسے اس قدر وسیع اختیارات دیئے گئے کہ وہ چند امور میں خود مختارانہ فیصلے کر سکیں۔ لیکن وہ اہل ثابت نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا مستحق نہیں سمجھا کہ منصوبۂ ربانی کی تکمیل کے لیے جس خلیفہ کو بنایا جانا ہے وہ ان میں بھیجا جائے۔ زمین پر جنوں اور ان سے قبل کی دیگر مخلوقات کا یہی وہ طرز عمل تھا جسے دیکھ کر فرشتوں نے زمین پر خلافت کے متمکن کیے جانے پر اعتراض کیا تھا۔ وہ زمین سے تو واقف تھے لیکن آدم سے ناواقف لہٰذا جب انہیں آدم کی صلاحیتوں سے آگاہ کر دیا گیا تو وہ سجدہ ریز ہو گئے۔

aamirmehmood7000@

فرشتوں کی طرح ہی آدم کو سجدہ کیا اور اطاعت کی روش اختیار کی اور بعضوں نے سجدہ سے انکار کیا۔ ان انکار کرنے والوں میں وہ شخص بھی تھا جو اب تک ساری مخلوقات میں سب کا سردار اور سب میں سب سے زیادہ صاحب علم و مرتبہ مانا جاتا تھا۔ یہ خبر اس پر بجلی کی طرح گری۔ اس کی امیدیں خاکستر ہو چکی تھیں۔ اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے ساتھ اس کے چند متبعین نے بھی۔ چنانچہ وہ بارگاہ رب العالمین سے دھتکار دیا گیا۔ اب ربانی نظام کے کسی دفتر میں اس کی شنوائی نہیں ہوتی تھی۔ نہ ہی وہ کہیں داخل ہو سکتا تھا۔ بہر حال اس نے اللہ کے اس فیصلے کو غلط ٹھہراتے ہوئے مہلت مانگی تاکہ وہ اپنی بات ثابت کر سکے کہ وہ اس خلافت کا زیادہ اہل تھا اور یہ کہ آدم کا انتخاب اس باب میں غلط ہوا۔ چنانچہ اسے مہلت دے دی گئی۔

مرحلۃ الجنۃ

اللہ تعالیٰ نے آدم سے اس کا جوڑا حوا بنایا اور انہیں الجنۃ (اس الجنۃ کی تشریح آئندہ محاور میں آئے گی) میں رکھ کر تین باتوں کا حکم دیا گیا۔ (۱) ایمان باللہ لانا (۲) انفاق (انفاق کی تشریح اور تفصیل آئندہ محاور میں آئے گی) کرنا (۳) الشجرۃ (الشجرۃ کی تشریح بھی آئندہ محاور میں آئے گی) سے دور رہنا۔

جنوں کا گروہ اپنی ترقی اور خلافت کے استحقاق سے مایوس ہو کر ابالیس کے نام سے مشہور ہو چکا تھا اور ان کا سردار ابلیس کے نام سے۔

انہوں نے اپنی حیثیت کی بحالی اور فیصلۂ خداوندی کو غلط ثابت کرنے کے لیے زبردست تیاری کی اور اس نئی مخلوق کا جو خلافت کے منصب جلیلہ پر فائز ہو چکی تھی اور اب دو نفر پر مشتمل تھی خوب غور سے جائزہ لیا۔ اور اس کی مضبوطیوں اور کمزوریوں کا دقت نظر کے ساتھ جائزہ لیا۔ اسے آدم کی ساخت میں چند خصوصیات نظر آئیں۔ اس نے ان کو تاک کر کارروائی کی جو کامیاب رہی۔ آدم و حوا نے تیسرے حکم کی خلاف ورزی کر ڈالی۔ ابلیس آدم و حوا کو الجنۃ سے باہر نکالنا چاہتا تھا جس میں وہ بالواسطہ کامیاب ہوا۔ آدم و حوا کو فوراً اپنی غلطیوں کا احساس ہوا۔ انہوں نے توبہ کی جو قبول ہو گئی۔ وہ اب گناہوں سے پاک ہو چکے تھے اور الجنۃ میں رہنے کے مستحق تھے لیکن ان کی غلطی سے اب ان کی ساخت میں ایسی تبدیلی ہو چکی تھی جس کی وجہ سے اب الجنۃ ان کو Accomodate کرنے کے قابل نہیں تھی۔ (اس کی تشریح بھی آئندہ محاور میں آئے گی)

aamirmehmood7000@
aamirmehmood7000
Copyrighted material

چنانچہ سنت اللہ کے عین مطابق انہیں الجنۃ سے منتقل کر کے ارض (اس کی تشریح ماقبل کے ارض یا زمین کے ساتھ ہی آئندہ محاور میں آئے گی) پر بھیج دیا گیا۔ اور وہی تین احکام پھر نافذ کر دیئے گئے:

آمنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ (الحدید:۷)

ترجمہ: ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور انفاق کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔

چنانچہ اس کے اجر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا:

فالذین آمنوا منکم وانفقوا لھم اجر کبیر (الحدید:۷)

ترجمہ: تم (انسانوں) میں سے جو لوگ ایمان لائیں گے اور انفاق کریں گے ان کے لیے اجر کبیر ہے یہی وہ بات ہے جو اس طرح بھی کہی گئی ہے:

فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (البقرہ:۳۸)

ترجمہ: تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور ملال کا موقع نہ ہو گا۔

مرحلۃ الارض

چنانچہ زمین پر نسل آدم کے لیے رسالت کا سلسلہ قائم فرمایا گیا اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء تشریف لاتے رہے اور زمین پر اسی حکم کی تنفیذ کی کوشش کرتے رہے۔ یہ حکم بنیادی طور پر انہیں تین امور پر مشتمل رہا جیسا کچھ الجنۃ میں تھا یعنی:

(۱) الایمان (۲) انفاق (۳) ممنوع و محرم سے دور رہنا

یہی وہ تین راستے تھے جن سے ہو کر حیات اور اس میں ارتقاء کی وہ ندی بہتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کے اس منصوبے کی تکمیل کرنی ہے جس کے لیے یہ کائنات بنائی گئی ہے۔ اور جس کا آخری مرحلہ اس طرح شروع ہو چکا ہے کہ اب وہ دو یا تین باتیں بھی پوری ہو چکی ہیں جو تکوین و تخلیق کائنات کی آخری کڑی ہو سکتی تھیں یعنی

(۱) آدم میں خلافت کا تمکن اور (۲) نبی آخر الزماں کی بعثت

یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ منصوبہ ربانی ہے کیا جس کے لیے یہ سارا کچھ

aamirmehmood7000
Copyrighted material

عمل میں لایا گیا اور لایا جا رہا ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنی مثل آپ ہے۔ وہ ہر نقص سے پاک ہے۔ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قل لو كان البحر مدادا لكلمات ربى لنفد البحر قبل ان تنفد كلمات ربى ولو جئنا بمثله مددا۔ قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى انما الهكم اله واحد فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرك بعبادة ربه احدا۔ (الکہف: ۱۱۰۔۱۰۹)

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں بلکہ ہم اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ اوّل و آخر ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اے اللہ تو ہی پہلا ہے کوئی تجھ سے پہلے نہیں۔ تو ہی آخر ہے کوئی تیرے بعد نہیں۔ تو ہی ظاہر ہے کوئی تجھ سے اوپر نہیں۔ تو ہی باطن ہے کوئی تجھ سے مخفی تر نہیں۔

منصوبۂ ارتباء

وہ اللہ تعالیٰ جو اوّل و آخر اور ظاہر و باطن ہے اس نے چاہا کہ وہ اپنی ذات اور اپنی صفات کا ظہور ملاحظہ فرمائے۔ چنانچہ اس نے ارادہ فرمایا کہ وہ اپنی ذات اور صفات کے اظہار کا نظم فرمائے گا۔ اس اظہار کی بنیاد ارتباء رکھی گئی جو اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اپنے امر سے کائنات کو پیدا فرمائے گا اور اس تکوین کو ارتباء کے مراحل سے گزارے گا تاکہ یہ ملاحظہ فرمائے کہ اس کی شان ربوبیت کا ظہور کیسے ہوتا ہے۔ اس کی خلق کردہ کائنات ارتباء کے عمل سے گزر کر کس درجہ ترقی کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ کائنات ارتباء سے گزرے اور ہر اعتبار سے ترقی کرے یہاں تک کہ وہ اس مقام تک پہنچ جائے جو اس کی شان ربوبیت کی مظہر کامل اور ظہور اتم ہو۔

aamirmehmood7000

پوری کائنات کی تخلیق کا مقصد ہے۔

غور کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے دائرۂ امکان یعنی کائنات یا عالم کبیر کو پیدا فرمایا۔ دائرۂ امکان کی یہ پیدائش تکوین کا پہلا مرحلہ تھی۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات پہلے عالم امر میں پیدا کی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی شان ربوبیت کے ذریعہ اپنی ذات اور صفات کے اظہار کا نظم فرمایا۔ اس اظہار کی بنیاد ارتباء تھی۔ اس ارتباء کو اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت نے درجۂ کمال تک پہنچانے کی کوشش کی۔ یوں تو یہ کہنا تقریباً ناممکن ہے کہ عالم امر میں ارتباء کی مدت کیا تھی۔ نہیں کہا جاسکتا کہ عالم امر کائنات ہونے کے باوجود از خود زمانی اور مکانی ہے بھی یا نہیں۔ یا اگر زمانی اور مکانی ہو بھی تو اس کی زمانیت اور مکانیت عالم خلق کی زمانیت اور مکانیت ہی ہے یا اس سے کچھ مختلف۔ کیونکہ اگر یہ کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ مثلاً عالم امر اور عالم خلق کی زمانیت اور مکانیت میں تبدیلی کا فرق (.....۱:۱) ہو یعنی جو تبدیلی عالم امر میں ایک سال میں ہوتی ہے وہ عالم خلق میں ایک مہاسنکھ سال میں ہوتی ہے۔ تو اگر ایک ہی کام کو دونوں جگہ بیک وقت شروع کیا جائے تو عالم امر میں جو کام ایک سال میں پورا ہو جائے گا وہ عالم خلق میں ایک مہاسنکھ سال میں پورا ہوگا۔ یہ تناسب تو بہر حال سنوی ہے اگر یہ ایک طرف آنی اور دوسری طرف سنوی ہو یعنی عالم خلق میں جو تبدیلی ایک مہاسنکھ سال میں ہوگی عالم امر میں صرف ایک آن یا ثانیہ میں ہو جائے گی تو مدتوں کا یہ فرق اور بھی بڑھ جائے گا۔ اور اگر اس عالم امر میں آنی اور مکانی کی کوئی اور شکل ہوئی تو انسانی عقل اس کو سوچنے سے بھی قاصر ہے۔

اسی طرح یہ کہنا بھی تقریباً ناممکن ہے کہ عالم کون میں عالم امر اور عالم خلق بیک وقت بنے یا بالترتیب۔ بہر حال بعض قرائن سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عالم امر اور عالم خلق بالترتیب وجود میں آئے۔ یعنی جب عالم امر میں ارتباء ظہور کامل اور مظہر اتم تک پہنچ گیا تب عالم خلق کا آغاز ہوا (ان شاء اللہ ان قرائن کا ذکر بعد میں آئے گا)

دائرۂ امکان میں غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم امر اور عالم خلق ممزوج و معکوس ہیں۔ لیکن دونوں کی بنیادی خصوصیت ارتباء ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اوّل و آخر و ظاہر و باطن ہے۔ اسی اوّل و آخر اور ظاہر و باطن کے بیچ کے ظہور کو کائنات کہتے ہیں۔ چنانچہ کائنات کے موجود ہونے سے قبل اللہ ہی اول تھا تو وہی ظاہر بھی تھا اور باطن بھی۔ اور جب کائنات فنا ہو جائے گی تو وہی اللہ تعالیٰ آخر ہوگا اور وہی ظاہر و باطن

بھی۔

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ظہور کا کیوں ارادہ فرمایا؟ ظاہر ہے نہ اسے انسان جان سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے بلاشبہ وہ اس کا اپنے معرفی ووجودی علم (Epistemological & Ontologcial knowledge) کے دائرے میں رہتے ہوئے عرفان ضرور حاصل کر سکتا ہے۔ (عرفان اس کم سے کم علم کو کہتے ہیں جو کسی شئے یا ذات کو پہچاننے کے لیے ضروری ہے) چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے اس کا نظم فرمایا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

الحمد لله رب العالمين (الفاتحہ:۱)

ترجمہ: الحمد اللہ رب العالمین کے لیے ہے

لیکن اس آیت کا سمجھنا انسانی عقل کے لیے آسان نہیں۔ یہ آیت ھو الاوّل والآخر والظاھر والباطن کی تفسیر بھی ہے اور اجمال بھی۔ یہ مفسر بھی ہے اور مشکل بھی۔ مفصل بھی ہے اور مجمل بھی۔ لہٰذا اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ اللہ نے اس کے کم از کم اس حصے کو جو اس وقت زیر بحث ہے ضرور کھول کر بیان کر دینے کا نظم فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک حدیث قدسی بیان فرمائی:

كنت كنزا مخفيا فاحببت ان اعرف، فخلقت الخلق لأعرف

ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں جانا جاؤں چنانچہ میں نے خلق کو پیدا فرمایا تاکہ میں جانا جاؤں۔[۲]

ظاہر ہے یہاں بیان کردہ کنز، مخفیاً، اعرف، لاعرف کا سمجھنا انسانی عقل سے باہر ہے تاہم وہ اس کی اس معرفت کو ضرور پا سکتا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ اسے بیان فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'کن' اور یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ پھر 'کن' فرمائے گا اور جو 'ہے' وہ نہیں 'ہو جائے گا'۔ ان دونوں سروں سے پرے اوّل اور آخر ذات ہے جو ظاہر اور باطن ہے۔ اور اس کائنات کی حقیقت۔

ان دونوں فناؤں کے مابین یہ دائرۂ امکان ہے جسے کائنات کہا جاتا ہے۔ اور اس کی بنیادی خصوصیت ارتباء ہے۔ چنانچہ اس دائرۂ امکان کے مالک اور بنانے والے کے اعتبار سے جو ذات موثر فی الحقیقت ہے وہ اللہ ہے۔ اور اس اللہ کی جو صفت اس کائنات کی بنیادی خصوصیت ـــــ ارتباء ـــــ میں موثر فی الحقیقت ہے وہ رب ہے۔ یہ رب العالمین ہی ہے جو دراصل اس کائنات کے ارتباء

aamirmehmood7000@ aamirmehmood7000 Copyrighted material

کا مالک ہے۔ لہٰذا یہی سبب ہے کہ پوری کائنات، اسکی تخلیق، اسکی تاریخ، اس کا ارتباء، اس کی موت، اس کی حیات، اس کی کامیابی، اس کی ناکامی، اس کا اوّل، اس کا آخر ـــــ غرض اس کی ہر حقیقت کو صرف چار الفاظ میں کلام اللہ نے گھیر لیا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

الحمد لله رب العالمين (الفاتحہ:۱)

ترجمہ: الحمد اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔

گویا اگر خطی پیمانے (Linear Scale) پر اس حقیقت کو واضح کریں تو یوں ہوگی:

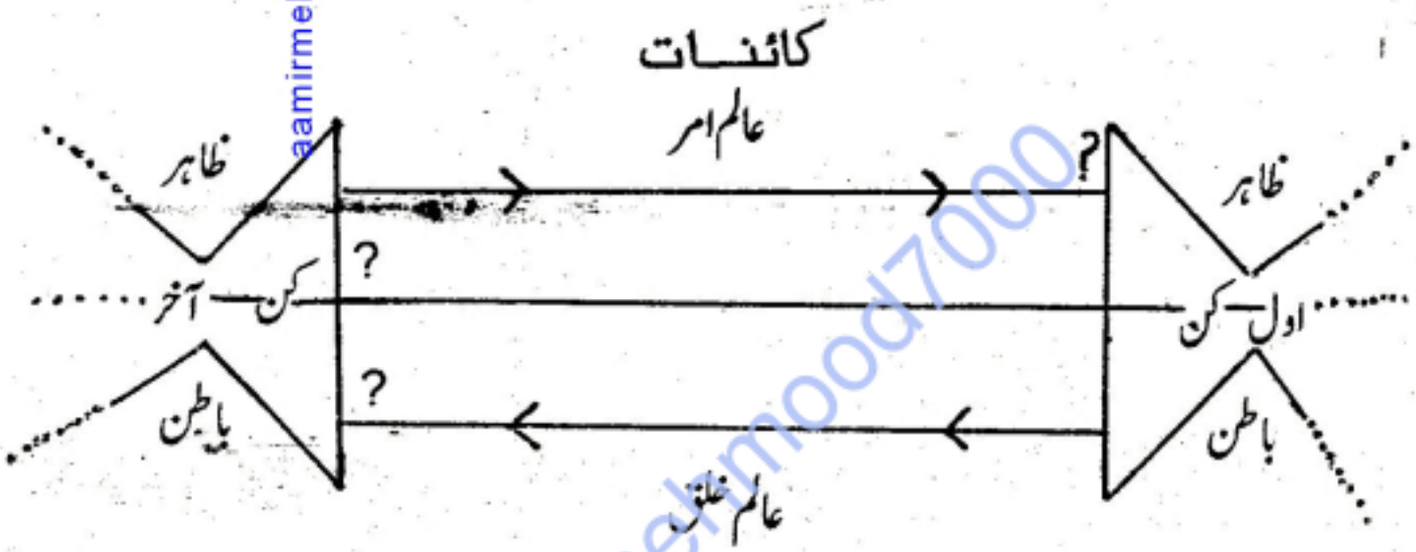

اللہ تعالیٰ اول تھا۔ وہی ظاہر باطن بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی آخر ہوگا۔ وہی ظاہر و باطن بھی ہوگا۔ یہ 'تھا' اور 'ہوگا' بھی بے معنی ہیں۔ وہی اوّل ہے وہی ظاہر و باطن ہے۔ وہی آخر ہے وہی ظاہر و باطن ہے۔ اس نے ارادہ کیا اور کن فرمایا۔ چنانچہ کن ارتباء کا نقطہ اوّل ہے اور اس ارتباء کا نقطۂ آخر ہی نقطۂ کمال ہے جسے نقشے میں ? سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اس نقشے میں عالم امر کو عالم خلق سے ممزوج و معکوس دیکھا گیا ہے اگر اس سے مختلف بھی دیکھا جائے تو حقیقت واقعہ میں کوئی بنیادی فرق نہیں آئے گا۔ ارتباء کا نقطۂ آخر یا نقطۂ کمال ہی دراصل وہ اظہار ہے جو رب العالمین ملاحظہ فرمانا چاہتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں کائنات میں اس کی ذات و صفات کا اکمل و اتم ظہور ہوگا۔ ظاہر ہے یہ ظہور ظلی ظہور ہے اور عینی نہیں۔ اس دوران اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کائنات کو ارتباء دے گی۔ اور ارتباء دیتی جائے گی۔ ارتباء کے مراحل بھی ہوں گے اور مدارج بھی۔ اس ارتباء میں افقی ارتباء بھی ہوگا اور کسی کامیابی کے بعد اور کامیابی کے نتیجے میں افقی ارتباء عمودی ارتباء میں بھی بدل جائے گا۔ چنانچہ افقی ارتباء اسے عرض عطا کرتا ہے تو عمودی ارتباء طول جسے یہاں علو شمار کیا گیا ہے۔

aamirmehmood7000©
aamirmehmood7000
Copyrighted material

ظاہر ہے ان دونوں ارتباؤں کے دو دوسرے ہوں گے۔

(۱) افقی ارتباء: کوئی تکوین پہلے افقی ارتباء کے پہلے مرحلے میں ہو گی پھر افقی طور پر آگے جائے گی اس کے شعبے بھی ہوں گے اور ان میں بھی افقی ارتباء کا سلسلہ شروع ہو گا۔ چنانچہ کوئی افقی ارتباء کے آخری سرے پر پہنچے گا کوئی درمیان میں ہی مقام ارتباء (افقی) سے گر کر معدوم ہو جائے گا۔

چنانچہ افقی ارتباء کا مقام اول اور اس کا مقام آخر افقی سطح پر ہی قائم رہتے ہیں۔

(۲) عمودی ارتباء: کوئی تکوین ارتباء کے کسی مرحلے میں اس قدر مقصد ارتباء سے ہم آہنگ ہو گی کہ اسے عمودی ارتباء نصیب ہو گی۔ چنانچہ وہ پہلے کی سطح سے اوپر سطح پر آکر افقی ارتباء کا عمل شروع کرے گی۔

چنانچہ افقی اور عمودی ارتباء کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ تکوین کے شعبے معدوم بھی ہوتے رہیں گے۔ مختلف شعبہ ٔ خلق افقی سطح سے عمودی ارتباء کر کے دوسری تیسری چوتھی سطحوں پر پہنچتے بھی رہیں گے۔ یہاں تک کہ کوئی شعبہ افقی اور عمودی ہر دو سطح پر ارتباء کامل حاصل کرے گا اور اس مقام کو حاصل کرنے کے قریب ہو جائے گا جو ارتباء کا ظہور اتم ہے۔

چنانچہ ایک طرح سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی مخلوق ارتباء کے اس ظہور اتم کے مقام تک پہنچ جائے تو یہ اس مخلوق کی وہ کامیابی ہوئی جس کی مثیل کوئی دوسری مخلوق نہیں۔ لیکن کائناتی سطح (Universal Scale) پر دیکھا جائے تو یہ حقیقت دوسری طرح نظر آئے گی۔ یعنی اس مخلوق کی کامیابی پوری کائنات کی کامیابی ہو گی۔ یعنی کائنات بحیثیت مجموعی اس کامیابی تک پہنچ گئی۔

قرآن کائنات کے عالم صغیر میں وہ واحد ذریعہ علم ہے جو انسانی معرفتی اور وجودی علم (Epistemological & ontological knowledge) سے باہر کے علم کا بھی احاطہ کرتا ہے لہٰذا اس علم کا سہارا لے کر انسان اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ کائنات میں ارتباء کا ایک ایسا ہی سلسلہ جاری و ساری ہے۔ ظاہر ہے یہ سلسلہ کبھی شروع ہوا ہے اور ایک دن ختم ہو جائے گا۔ لیکن یہ سلسلہ کس مقام پر جا کر ختم ہو گا؟ کیا کائنات ارتباء کے مقام اتم تک پہنچ سکے گی یا ناکام

بار ختم ہو گا اور کامیاب ہو گا۔ یہ ختم اس اعتبار سے ہو جائے گا کہ کائنات 'ہے' اور یہ 'ہے' اس لیے کہ یہ از خود نہیں ہے بلکہ اس کا کوئی واجد ہے۔ یہ کائنات اس طرح موجود ہے کہ واجد نے اسے موجود کیا ہے۔ جو موجود ہے وہی معدوم ہو گا۔ جو اوّل ہے وہ آخر ہے۔ اور وہ اوّل و آخر ظاہر و باطن ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسے بقاء ہی بقاء ہے۔ چنانچہ قرآن اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے کہ اس 'موجود' کائنات میں ارتباء کا یہ سلسلہ نامرادی پر مختتم ہو گا یا بامراد۔ قرآن کی تصدیق ہے کہ یہ بامراد مختتم ہو گا۔ قرآن کا ارشاد ہے:

الحمد لله رب العالمين (یونس:۱۰)

ترجمہ: یہ کہ الحمد اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔

الحمد سے مراد ہی یہ ہے کہ اس کی یہ شان ربوبیت اپنا ظہور اتم حاصل کرے گی۔ وہ مرید حقیقی بامراد ہو گا۔ ارتباء درجہ کمال کو پہنچے گا۔ اور شان ربانی کا مظہر اتم سامنے آئے گا۔

وہ مقام جہاں اظہار اتم ہونا ہے اس کی کیا خصوصیت ہے؟ وہ کیا امور ہیں جنہیں ہم منصوبۂ ربانی میں ظہور اتم کے تعلق سے متعین کر سکتے ہیں جو کوئی ایسی مخلوق حاصل کرے گی جو سب سے زیادہ ارتباء سے فیض یاب ہو گی۔

ظاہر ہے یہ ظہور، ظہور اصلی نہیں بلکہ ظہور ظلی ہے۔ جس طرح کسی شخص کا سایہ یا آئینے میں اس کا عکس۔ (سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ، نعوذ باللہ۔ انسانی ادراک اور بیان دونوں اس صورت کو بتانے سے قاصر ہیں اسی لیے ان الفاظ کے استعمال پر بھی یہ عاجز اللہ کی پناہ چاہتا ہے۔)

چنانچہ ارتباء کا یہ مقام آخر دراصل وہی ہونا چاہئے جہاں مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ کا ظہور اتم ہو۔

اسی طرح وہ مدت کیا ہو گی یا ہو سکتی ہے جس دوران کن سے شروع ہونے والے ارتباء کا یہ عمل اس مقام مراد تک پہنچ کر ختم ہو جائے گا جو اس کائنات کا مقصد اصلی ہے۔

قرآن نے اسے دہر سے تعبیر کیا ہے، قرآن کا ارشاد ہے:

(۱) وقالوا ما هي الا حياتنا الدنيا نموت ونحيا وما يهلكنا الا الدهر۔ ومالهم بذلك من علم ان هم الا يظنون (الجاثیہ:۲۴)

aamirmehmood7000@

اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔" درحقیقت اس معاملہ میں ان کے پاس کوئی علم نہیں۔ یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔

چونکہ لوگوں نے الدھر کا غلط مطلب سمجھ رکھا تھا اس لیے آیت اشتباہ کرتی ہوئی بیان کرتی ہے کہ 'ومالھم بذلک من علم' بذلک سے مراد یہی الدھر ہے جس میں حیات تکوینی سفر طے کر رہی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قال قال رسول اللہ ﷺ قال تعالیٰ یوذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر اقلب الیل والنھار (متفق علیہ)

ترجمہ: کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ابن آدم الدھر کو برا کہہ کر مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ اس لیے کہ میں الدھر ہوں۔ میں رات اور دن کو بدلتا ہوں۔

مراحل ارتباء

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ بعض قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دائرہ امکان یعنی کائنات پہلے عالم امر میں پیدا کیا گیا۔ اور ارتباء جس کا عمودی ذکر گزر چکا ہے پہل عالم امر میں روبہ عمل آیا۔ چنانچہ پہلے عالم امر کن سے عالم وجود میں آیا۔ وہ موجود کیسا موجود ہوگا انسانی عقل اس کے تصور سے قاصر ہے۔ مگر وہ موجود ہوا۔ وہاں تبدیلی آنیات میں سے تھی یا غیر آنیات میں سے اور اگر آنیات میں سے تھی تو اس کی رفتار اس عالم خلق کی رفتار سے کتنی تیز تھی اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ اسی طرح وہ موجود ہوا۔ وہاں کونیات مکانیات میں سے تھی یا غیر مکانیات میں سے یہ بھی بتانا ممکن نہیں۔ اور اگر مکانیات میں سے تھی تو اس کی مکانیات عالم خلق کی مکانیات سے کتنی مختلف تھی یہ سب سوچنا مشکل ہے۔ اس باب میں ہم صرف وحی ـــ متلو وغیر متلو ـــ سے ہی معرفت حاصل کرنے کے لیے مجبور ہیں۔

چنانچہ عالم امر میں ارتباء کا عمل شروع ہوا۔ مخلوق کے شعبے ہوئے اور ان شعبوں کا افقی سفر شروع ہوا۔ پھر ان شعبوں کے شعبے ہوئے۔ اور ان کا افقی سفر شروع ہوا۔

مخلوقات میں سے کسی مخلوق نے اور پھر اس کے کسی شعبے نے ارتباء کی کوئی غیر معمولی کامیابی حاصل کی چنانچہ وہ اس کا مستحق ہو گیا کہ اسے عمودی ارتباء نصیب ہو۔ دیگر مخلوقات میں سے بھی کسی شعبے نے ایسا ہی عمودی ارتباء حاصل کیا ہو۔

aamirmehmood7000©
Copyrighted material

۔ پھر اس طرح ایک عمودی ارتباء کے بعد دوسرا عمودی ارتباء اور دوسرے کے بعد تیسرے عمودی ارتباء کا عمل ہوتا رہا۔ کوئی مخلوق کسی مرحلے میں معدوم ہوتی رہی کوئی شعبہ کسی اور مرحلے میں معدوم ہوتا رہا کوئی ذیلی شعبہ کسی تیسرے مرحلے میں معدوم ہوتا رہا۔

ہر عمودی ارتباء اپنے نوع کے اعتبار سے افقی و عمودی ارتباء کی شکل لیتا رہا۔ افقی ارتباء کے مقابلے میں عمودی ارتباء زیادہ دور رس ارتباء کا حامل رہا۔ یہ سفر بہر حال اہرامی (Pyramidical) طے ہوتا رہا یعنی پہلی افقی سطح پر زیادہ مخلوقات، پہلی عمودی یا دوسری افقی سطح پر اس سے کم اسی طرح اس سے اوپر اس سے کم۔

aamirmehmood7000©

آخری مدارج

غور و فکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ارتباء کے آخری تین مدارج درج ذیل رہے ہیں:

(۱) حیات (۲) شعور (۳) تکلیف

ان میں ہر مدرج سینکڑوں مدارج کا حامل ہے جو ہر ایک عمودی مدرج ہے۔ چنانچہ فرض کیا جائے کہ حیات کے اولین مدرج سے تکلیف کے آخری مدرج تک تین سو مدارج ہوں جو سب کے سب عمودی مدرج ہوں اور ہر مدرج کی افقی وسعت ہو۔ تو اس طرح ارتباء تین سو مدارج کے ہوں گے۔

یہ اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے کہ عالم امر میں حیات، شعور اور تکلیف کے مدارج اور پھر ان کے ذیلی سینکڑوں مدارج کیا صورت رکھتے تھے۔ اور وہاں ارتباء کس صورت عمل پزیر ہوتا تھا۔ بہر حال ان تمام مدارج سے ارتبائی عمل گزرا اور بالآخر آخری سطح پر کسی ایک مخلوق کے شعبوں میں سے کسی شعبے کا ارتباء سب سے آگے بڑھ کر اس مقام پر فائز ہو گیا ہو گا جو اس کائنات کے ارتباء کی آخری جگہ تھی۔

تین شعبے

غور کرنے سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ارتباء کا یہ عمل اور شعبوں کا اجراء کم از کم تین طریقوں سے ہوتا رہا ہے۔ یہ تین طریقے درج ذیل ہیں:

(۱) تکلیف (۲) تزویج (۳) تربیب

Copyrighted material

چنانچہ پہلے عنوان کے تحت کسی لطیف وجود کو مکیف کیا جاتا رہا ہوگا۔ تکییف کا عمل سینکڑوں سطحوں پر جداگانہ طریقے سے اور مختلف وجودات کا مختلف طریقے سے ہوتا رہا ہوگا۔

تزویج کے تحت کسی دو لطیف یا متکیف وجودات کو باہم ممزوج کر کے ایک تیسری چیز بنائی جاتی رہی ہوگی۔ یہ بھی مختلف سطحوں پر، مختلف وجودات سے ہوتی رہی ہوگی۔

تربیب کے تحت کسی موجود کو افزودہ کرنے کا عمل ہوگا۔ افزودگی کے بعد وہ موجود ماسبق کے غیر افزودہ وجود سے یکسر مختلف ہو گیا ہوگا۔

غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم میں ارتباء کا یہ عمل چلتا رہا یہاں تک کہ وہ گھڑی آگئی۔ جب ان تمام مخلوقات میں سے کسی نے سب سے زیادہ جوہری ترقی کی اور ارتباء کی ہر سطح پر افقی اور عمودی ہر اعتبار سے اعلیٰ ترین ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے اس جگہ آگیا جو منزل مراد تھی۔ یعنی وہ صورت جہاں مخلوق میں رب العالمین کی شان ربوبیت کا ظہور اتم ہو۔

محل ارتباء کامل

کائنات میں مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا ظہور اتم کہاں ہوگا؟ یہ بنیادی سوال ہے۔ اس لیے کہ یہ سوال دراصل کائنات، اس کے وجود، اس کی تخلیق، اس میں جاری ارتباء اور اس کے انجام سے براہ راست مربوط ہے۔ اور وہ اس لیے کہ یہی وہ مراد ہے جو کائنات کی تخلیق کا باعث ہے۔

بہر حال یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ یہ وہ مخلوق ہوگی جس میں تکوین اور اس کے بعد تخلیق میں ارتباء اپنے اس درجہ کمال تک پہنچ جائے گا جس سے آگے جانا ممکن نہیں اور وہ جگہ وہی ہو سکتی ہے جہاں مخلوق خالق کے صفات کا مظہر اتم ہو جائے۔

نظریۂ کائنات

لہٰذا ہم پھر ان بنیادی سوالوں کی طرف مراجعت کرتے ہیں جو سابق ابواب میں پیش نظر

aamirmehmood7000@

(۳) کائنات کیوں وجود میں آئی؟

(۴) کائنات کب تک موجود رہے گی؟

اور ان چاروں سوالوں کو یکجا کر کے ہم اس سوال تک پہنچے تھے کہ:

کائنات کا حقیقی "نظریہ کائنات کیا ہے؟"

یہی وہ سوال ہے جسے اسلام کے عنوان کے تحت ہم نے اس طرح پیش کیا تھا:

"کائنات کا ربانی منصوبہ" کیا ہے؟

اور اس ذیل میں ہم اس مفروضے تک پہنچے تھے:

"پوری کائنات میں وجود، تخلیق اور انجام کا عمل بنیادی طور پر لفظ "رب" کے چاروں طرف گردش کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "رب" ہی وہ اسم صفاتی ہے جو قرآن میں سب سے زیادہ بار استعمال ہوا ہے۔ ارتباء ہی دراصل کائنات کی حقیقت کبریٰ ہے۔ ارتباء کا وہ مقام جہاں رب کائنات کی شان ربوبیت ظہور کے درجہ کمال کو پہنچے گی وہی خلافت کبریٰ ہے۔ چنانچہ بالفاظ دیگر اگر یہ کہا جائے کہ رب کائنات اپنی شان ربوبیت کا ظہور یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کی خلقت بالآخر خلافت کبریٰ کا حصول کرے۔ اور یہ کہ اس کی اس تخلیق میں وہ کون سی مخلوق ہے جو اس تعلق سے اہل ترین ہے کہ اسے خلافت کبریٰ عطا کی جاسکے۔ یا یوں کہا جائے کہ کائنات کا ظہور دراصل خلافت کبریٰ کی تفویض ہے۔ اسی بخشش کو کائنات کا ربانی منصوبہ کہا جاسکتا ہے۔"

چنانچہ اس کائنات میں جو عالم خلق ہے جاری "ربانی منصوبے" کی حقیقت اور مذکورہ تمام سوالوں کا جواب پانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ عالم امر میں اس ربانی منصوبے کا کیا نتیجہ بر آمد ہوا۔ ظاہر ہے یہ معلوم کرنا اتنا آسان نہ ہوگا۔ لہٰذا ہم دو مرحلوں میں اس کی تخریج کرتے ہیں:

سب سے پہلے مرحلے میں ہم یہ متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عالم خلق کا جس کا مختصر خاکہ گزر چکا ہے آخری مرحلہ کیا ہے۔ آخری مرحلے سے مراد یہ ہے کہ عالم خلق میں تخلیق کے عمل میں ارتباء کی آخری کڑی تفویض خلافت ہے یعنی یہ کہ پوری کائنات میں کھربوں سالوں کے تخلیقی عمل کے بعد وہ کون سی مخلوق اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل ترثابت ہوئی کہ اسے اللہ تعالیٰ بالآخر کائنات میں اپنی خلافت عطا کرے اور وہ مخلوق کہاں رہتی ہے۔ یہاں آکر ہم اس نتیجے پر پہنچتے

aamirmehmood7000©

ہوئے بالآخر اس مقام پر پہنچا کہ اسے اس کا استحقاق ہوا کہ اللہ اسے خلافت عطا کرے اور پہلے الجنۃ وہ سکنی اور بعد میں ارض (اپنے وسیع معنی میں) وہ مستقر ہوئی جو اس خلافت کے اٹھانے والے کی جائے قرار ہو۔ چنانچہ قرآن نے ارشاد فرمایا:

"واذا قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ"

(البقرہ:۳۰)

ترجمہ: پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

چنانچہ اس کے بعد فرمایا گیا:

واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکافرین (البقرہ:۳۴)

ترجمہ: پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے، مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔ وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔

ان دونوں آیتوں سے یہ بات تو پائے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ عالم خلق کی وہ مخلوق جو ارتباء کے آخری مرحلے تک ترقی کر گئی وہ انسان ہی ہے۔ لیکن اس سے منصوبۂ ربانی کی صرف ادھوری معلومات ہوتی ہے یعنی یہ تو ثابت ہو گیا کہ ارتباء کے درجۂ کمال پر پوری کائنات میں انسان پہنچا اور وہ خلافت کا مستحق ہو کر اس مقام پر فائز ہوا۔ لیکن بہر حال اس سے اس آخری مرحلے پر روشنی نہیں پڑتی کہ اب یہ مرحلہ خود کس درجۂ کمال کو پہنچے گا یا وہ درجۂ کمال کون سا ہے جو اس مرحلے کا مطلوب ہے۔ اور جو دراصل تکوین و تخلیق کائنات کے پورے عمل کا مقصود اصلی ہے۔ یا بالفاظ دیگر پورے منصوبۂ ربانی کا حاصل ہے۔ اسے جاننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی ذریعہ سے یہ معلوم کیا جائے کہ عالم امر میں ارتباء کا انجام کیا ہوا۔ دراصل یہ وہ بات ہے جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ آدم کا ارتباء کہاں تک ہو گا۔ وہ آدم جو اب تخلیق کے آخری مرحلے میں خلافت سے سرفراز کیا گیا ہے اس کی ترقی اور اس کا ارتباء کہاں تک ہو گا۔ حدیث میں آیا ہے۔

(۱) "عن ابی ھریرہ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد" (رواہ الترمذی)

aamirmehmood7000@

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے: پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت جب آدم ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(۲) عن العرباض بن سارية عن رسول الله ﷺ انه قال انى عند الله مكتوب خاتم النبيين و ان آدم لمنجدل فى طينته وساخبركم باول امرى دعوة ابراهيم وبشارة عيسى ورويا امى التى رأت حين وضعتنى وقد خرج لها نوراً اضاء لها منه قصور الشام (رواه فى شرح السنة ورواه احمد عن ابى امامة من قوله ساخبركم إلى آخره)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے پاس خاتم النبیین مقدر تھا جب کہ آدم ابھی کیچڑ کی حالت میں ہی تھے۔ میں (چاہوں تو) اپنے پہلے حکم کی بات تمہیں بتادوں اور اس کی کہ حضرت ابراہیم کی کیا دعاء تھی اور حضرت عیسیٰ کی کیا بشارۃ تھی اور وہ خواب جو میری [redacted] کو دیکھا جب انہوں نے مجھے پیدا کیا اور یہ کہ اس دن ان سے ایک روشنی نکلی جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(۳) عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ [redacted] قرون بنى آدم قرناً فقرناً حتى كنت من القرن الذى كنت منه (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں: کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں بنی آدم میں خیر قرن سے قرن بعد قرن منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ میں اس قرن میں منتقل ہو گیا جس سے میں تھا۔

(۴) عن كعب الاحبار قال لما اراد الله عز وجل ان يخلق محمدا صلى الله عليه وسلم امر جبرئيل فاتاه بالقبضة البيضاء التى هى موضع قبر رسول الله ﷺ فعجنت بماء التسنيم فغمست فى انهار الجنة وطيفها فى السموٰت فعرفت الملائكة محمداً ﷺ قبل ان يعرف آدم ثم كان نور محمد يرى فى غرة جبهة آدم وقيل له يا آدم هٰذا السيد ولدك من المرسلين فلما حملت حواء بشيث انتقل النور من آدم وكانت تلد فى كل بطن ولدين ولدين الاشيثا فانه ولدته وحده كرامة

aamirmehmood7000@ Copyright material

لمحمد ﷺ ثم لم یزل ینتقل من طاهر الی طاهر الی ان ولدته آمنة من عبد الله بن عبد المطلب (رواه الامام ابن الجوزی فی کتاب الوفاء بحواله مرقاة)

ترجمہ: حضرت کعب احبار روایت کرتے ہیں: کہا جب اللہ عزوجل نے ارادہ کیا کہ محمد ﷺ کی تخلیق کرے تو اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا چنانچہ حضرت جبرئیل اس جگہ سے جہاں آج آنحضور ﷺ کی قبر ہے ایک مٹھی البیضاء لے آئے۔ وہ البیضاء تسنیم کے پانی میں گوندھی گئی، پھر الجنۃ کی ندیوں میں ڈبوئی گئی پھر اسے آسمانوں میں ہر طرف لے جایا گیا یہاں تک کہ محمد ﷺ کو آدم کے جاننے سے پہلے فرشتوں نے جان لیا۔ (جب آدم پیدا ہوئے تو) نور محمدی آدم کے پیشانی پر چمکا۔ ان سے کہا گیا کہ یہ آپ کے رسول بیٹوں میں سے سب کے سردار ہیں۔ چنانچہ جب حضرت حوا حضرت شیث کی پیدائش سے قبل حاملہ ہوئیں تو یہ نور آدم سے منتقل ہو گیا۔ اس سے قبل دو دو اولادیں پیدا ہو رہی تھیں۔ شیث تنہا پیدا ہوئے۔ یہ حضرت محمد کی کرامت تھی پھر اس کے بعد یہ نور ایک پاک شخص سے دوسرے پاک فرد میں منتقل ہوتا رہا حتی کہ آپ عبداللہ بن عبدالمطلب کے یہاں حضرت آمنہ سے پیدا ہوئے۔

تین پہلوؤں سے متعلق دو منابع سے چار باتیں نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی بات عالم امر سے متعلق ہے اور اسے حضرت ابو ہریرہ نے خود آنحضور ﷺ سے روایت کی ہے۔ دوسری بات کا تعلق عالم امر سے بھی ہے اور عالم خلق سے بھی اور اس کی روایت حضرت عرباض بن ساریۃ نے خود آنحضور ﷺ سے کی ہے۔ اور تیسری بات کا تعلق عالم امر سے بھی ہے اور عالم خلق سے بھی مگر اس کی روایت حضرت کعب احبار نے کی ہے جو ایک بڑے یہودی عالم تھے اور آپ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ظاہر ہے اس کا تعلق تنک (TaNaK) اور اس کی بنو اسرائیلی تشریحات سے ہے۔ اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں امام ابن الجوزی کی کتاب الوفاء سے نقل کیا ہے۔ (میں نے اس روایت کو باوجود اس کے کہ امام ذہبی اور امام ابن حجر کی عام طور پر ابن الجوزی کے تعلق سے کیا رائے ہے زیر بحث لایا ہے اس لیے کہ اس سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسے یہاں سے نہ سہی تو براہ راست یہودی مآخذ سے بھی نقل کیا جا سکتا تھا)

aamirmehmood7000@

روح اور جسد کے مابین تھے۔اس میں سے دوسرے فقرے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدم جو عالم امر میں عمل ارتباء کے نتیجے میں بالآخر وجود میں آئے اور پھر ان سے ہوتے ہوئے یہ ارتباء آگے جاکر اپنے آخری مرحلے میں پہنچ کر اس طرح ختم ہوا کہ عالم امر میں رب العالمین کے ذریعہ ارتباء کے درجہ کمال کو پہنچ گیا اور کائنات امر میں وہ درجہ کمال خلافت کبریٰ ہے جس پر آنحضور ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا۔ یہ سرفرازی عالم امر میں ہوئی تھی۔ یہی مقام دراصل مقام محمود ہے۔اور مقام محمود پر فائز ہونے والی ذات محمد اور احمد ہے۔اگر اس بات کو یوں کہا جائے کہ عالم امر میں کائنات بنی اور وہ ارتباء اور ترقی کرتے کرتے جب اس مقام پر پہنچی جہاں کائنات نے درجہ کمال حاصل کر لیا اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا ظہور اتم ہوا تو وہ مقام مقام محمود تھا اور وہ ذات ذات محمود اور اسی ذات محمود کو ذات محمد اور ذات احمد بھی کہتے ہیں۔ کائنات کے ارتباء اور ارتقاء کی آخری بلندی حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی ہے۔ یہی راز 'وجبت لک' سے ظاہر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جب عالم امر میں اس حقیقت کی تعیین ہوئی تو یہ حقیقت جسدی اور جسمی نہیں تھی بلکہ امری تھی۔اب جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عالم امر اور عالم خلق ممزوج و معکوس ہیں لہٰذا جو مرحلہ عالم امر کا آخری مرحلہ ہے عالم خلق کا پہلا مرحلہ اسی کا ردیف ہوگا۔اور اس طرح عالم خلق سب سے آخر میں وہاں پہنچے گا جہاں عالم امر ختم ہوا تھا۔اس طرح جب عالم خلق میں تخلیق کا عمل شروع ہو کر ارتباء کا عمل شروع ہوا تو اس سے پہلے عالم امر میں ارتباء کا عمل ختم ہو چکا تھا۔یعنی عالم امر میں ارتباء مقام محمود کو پا چکا ہے۔ یہی وہ بات ہے جسے مختلف طرح سے آنحضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے:

(۱) عن عبد الله بن عمر وقال قال رسول الله ﷺ كتب الله مقادير الخلائق ان يخلق السموت والارض بخمسين الف سنة قال وكان عرشه على الماء (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ فرمایا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: مخلوقات کی تقدیر اللہ تعالیٰ نے السمٰوات والارض کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل لکھ دی تھی۔ تب اس کا عرش الماء پر تھا۔

(۲) عن ابی هريره قال قلت يا رسول الله انی رجل شاب وانا اخاف على نفسی العنت ولا اجد ما اتزوج به النساء كانه يستاذنه فی

aamirmehmood7000©
Copyrighted material

الاختصاء قال فسکت عنی ثم قلت مثل ذٰلک فسکت عنی ثم قلت مثل ذٰلک فسکت عنی ثم قلت مثل ذٰلک فقال النبی ﷺ یا باھریرۃ جف القلم بما انت لاق فاختص علی ذٰلک اوذر (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: فرمایا: میں نے کہا یارسول اللہ! میں جوان ہوں اور مجھے خوف رہتا ہے کہ گناہ (زنا) میں مبتلا نہ ہو جاؤں اور میری حالت ایسی نہیں کہ مجھے کوئی خاتون ملے جس سے میں نکاح کرلوں تو کیا اس ابوہریرہ کو اسکی اجازت ہے کہ وہ خصی کرالے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر آپ ﷺ نے مجھ سے اعراض فرمالیا۔ میں نے پھر یہی بات کہی تو آپ نے پھر اعراض فرمالیا۔ میں نے پھر یہی بات کہی تو آپ نے پھر اعراض فرمالیا۔ میں نے جب چوتھی بار کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوہریرہ قلم خشک ہو گیا ہے اب وہ ہو کر رہے گا جو تمہاری تقدیر میں ہے خواہ تم خصی کرالو یا رہنے دو۔

اس طرح اس روایت سے معلوم ہوا کہ عالم امر میں کائنات کا ارتباء ہوا۔ کائنات میں شان ربوبیت کا ظہور آخر خلافت آدم پر ہوا اور شان ربوبیت کا ظہور اتم مقام محمود پر ہوا اور اس مقام پر حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی فائز ہوئی۔ چنانچہ حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی صرف بنی آدم کا ارتباء آخر نہیں بلکہ پوری کائنات کا ارتباء آخر ہے۔ اور یہی حقیقت دراصل شان ربوبیت کا ظہور اتم ہے۔

دوسری روایت میں دو اہم فقرے ہیں: پہلا: انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین اور دوسرا: وان آدم لمنجدل فی طینہ وساخبرکم باول امری دعوۃ ابراہیم وبشارۃ عیسیٰ ورویا امی التی راء ت حین وضعتنی۔ اس میں پہلے فقرے سے پہلی روایت کے لفظ "النبوۃ" کی مزید تشریح ہوتی ہے کہ حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی خاتمہ نبوت بھی ہے۔ اور دوسرے فقرے سے اس کا علم ہوتا ہے کہ حقیقت محمدی دراصل تمام انبیاء اور یہاں مذکور حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کی دعاؤں اور بشارتوں کا مطلوب بھی ہے۔

تیسری روایت ان دونوں روایتوں میں بیان ہونے والی حقیقت پر شاہد عدل ہے کہ دراصل حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی جو مقام محمود پر منصوب کی گئی ہے وہ حقیقت آپ ﷺ ہی ہیں۔

چوتھی روایت دراصل ان تین روایتوں کے درمیان واقع ہونے والے مرحلوں کی

وضاحت کرتی ہے۔ یعنی حقیقت محمدی کی تخلیق جو منتج ہوئی روح محمدی کی تخلیق پر اور پھر یہ روح محمدی جو منتج ہوئی جسم محمدی کی تخلیق پر (ان امور پر بحث آئندہ محاور میں آئے گی۔ ان شاءاللہ)

حقیقت محمدی

aamirmehmood7000©

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت محمدی یا حقیقت احمدی کی حقیقت کیا ہے؟

عالم امر میں تکوین اور ارتباء کا سمجھنا دشوار ہے تاہم ایک مثال کے ذریعہ کسی طرح اسے قابل فہم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر عالم خلق کو کسی ایسے جوہری دھماکے (Nuclear Explosion) سے تشبیہ دی جائے جو خلا، فضا، زیر زمین، زیر آب یا سطح زمین پر کیا جاتا ہے تو عالم امر میں تکوین اس جوہری دھماکے سے مشابہت رکھتی ہے جو کمپیوٹر سیمولیشن (Computer Simulation) کے ذریعہ کیا جائے۔ حقیقت محمدی واحمدی اس ارتباء کے عالم امر میں سمولیشن کا نتیجہ اور کائنات کی ترقی کا منتہا ہے اور وہی حقیقت شان ربوبیت کا ظہور اتم ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اسی عمل کو عالم خلق میں تخلیق کی صورت میں روبہ عمل لا رہا ہے۔

عالم امر اور پھر عالم خلق میں اس کے منصوبے کی حقیقت کیا ہے؟ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل امور کی حقیقت جان لی جائے:

(۱) الحمد (۲) مقام محمود (۳) محمد

ان تینوں کی حقیقت جان لینا دراصل کائنات، وجود کائنات، تخلیق کائنات، انجام کائنات اور مقصد کائنات کی حقیقت اور اس میں جاری وساری منصوبۂ ربانی کا جان لینا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ پورا منصوبۂ ربانی سورۃ الفاتحہ میں اس طرح سمو دیا ہے جو بیک وقت عالم امر کو بھی حاوی ہے اور عالم خلق کو بھی۔ پوری کائنات کی حقیقت الفاتحہ میں مضمر ہے۔

الحمد

حمد کے معنی نہ تعریف ہے اور نہ شکر۔ جیسا کہ تقریباً پہلی صدی ہجری کے بعد تمام ہی معجمیین، مفسرین اور مترجمین نے اس کے معنی بتائے ہیں۔ (تفصیلی بحث آئندہ محاور میں ملاحظہ فرمائیں)۔ حمد قرآن میں استعمال ہونے والا وہ لفظ ہے جو بیان ہے (بیان وہ علم خاص ہے جو ہر نبی علیہ السلام کو دیا گیا اور اس کی تفصیل آئندہ محاور میں ملاحظہ فرمائیں)۔ اور بیان کی ایک

Copyrighted material

خصوصیت یہ ہے کہ وہ نبوت کی وراثت ہے۔ یعنی ایک نبی کے بعد آنے والے دوسرے نبی کو بعینہٖ وہ الفاظ اور اس کے معانی منتقل ہوئے۔ یہ منتقلی کبھی وحی متلو کے ذریعہ ہوئی ہے اور کبھی وحی غیر متلو کے ذریعہ اور کبھی نبی سے کسی دوسرے نبی کو براہ راست ہوئی۔ چنانچہ حمد بھی ایک ایسا لفظ ہے جو بیان ہے۔ حمد کے معانی ہیں: چاہت، آرزو، تمنا، خواہش، پسند، طلب۔

چنانچہ الحمد کا مفہوم ہے: ساری چاہت، سب چاہت، ساری آرزو، ساری تمنا، ساری خواہش، ساری پسند، ساری طلب۔

اس طرح الحمد للہ رب العالمین کا مفہوم ہوا:

ساری آرزوئیں، ساری چاہتیں، ساری تمنائیں، ساری خواہشیں، ساری پسند، ساری طلب صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔

ظاہر ہے یہ حمد کائنات و ما کائنات سب کو محیط ہے۔ اگر اس حمد کو بندے کی طرف سے سمجھا جائے تو اسے اللہ کو کامل سپردگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

جاں دادم و دل دادم و ایمان دادم

کائنات میں اس کامل سپردگی کا اگر مفہوم سمجھنا ہو تو یہ مفہوم بدرجۂ اکمل وہاں سمجھا جا سکتا ہے جہاں کائنات کی سب سے اعلیٰ مخلوق اپنے سب سے اعلیٰ مقام سے اپنے رب العالمین کو اپنا سب کچھ سپرد کرتی ہے۔ یہ سپردگی ہے محمد کی حمید کو۔

اللھم الیک اشکوضعف قوتی وقلة حیلتی، وھوانی علی الناس، یا ارحم الراحمین، انت رب المستضعفین وانت ربی، إلی من تکلنی؟ الی بعید یتجھمنی؟ أم إلی عدو ملکتهٗ أمری؟ إن لم یکن بک علیَّ غضب فلا أبالی، ولکن عافیتک ھی أوسع لی،اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت له الظلمات، صلح علیه أمری الدنیا والآخرة من أن تنزل بی غضبک،أو یحل علیَّ سُخطک، لک العتبی حتی ترضی، ولاحول ولا قوة الا بک۔[۴]

مقام محمود

طرح بیان سے ہے۔ چنانچہ محمود کا مفہوم ہوا جس کی آرزو کی جاتی ہے یا کی گئی ہے، جس کی خواہش کی جاتی ہے یا کی گئی ہے، جس کی طلب کی جاتی ہے یا کی گئی ہے۔ اور مقام محمود کا مفہوم ہے وہ مقام جس کی آرزو کی جاتی ہے یا کی گئی ہے۔ وہ مقام جس کی طلب کی جاتی ہے یا کی گئی ہے۔

اس طرح تکوین کائنات کے مقصد و مطلب میں اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ وہ سبب یا علت یا مقصد جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تکوین و تخلیق فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ جانا جائے۔ اس ارادہ کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کی شان ربوبیت کا اظہار ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان ربوبیت کے اظہار کے لیے کن کہا اور کائنات کی تکوین ہو گئی۔ اللہ رب العالمین نے چاہا کہ اس کی شان ربوبیت کا ظہور درجہ کمال تک پہنچے چنانچہ اس نے کائنات میں ارتباء کو جاری فرمایا۔ اس نے چاہا کہ اس کی شان ربوبیت سے پیدا کردہ اور مربوب کائنات ارتباء کے اس درجہ کمال کو پہنچے جسے اس نے مقام مطلوب جانا ہے اور وہ مقام مطلوب وہ مقام ہے جہاں کوئی مخلوق ارتباء کے اس مقام پر پہنچ جائے جہاں اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ظہور ظلی بدرجہ اتم ہو۔ اس نے کون کے ہر شئے کا ارتباء کیا۔ جو مخلوق ارتباء کی اعلیٰ ترین سطح پر پہنچی وہ انسان تھی۔ چنانچہ اس اعلیٰ ترین سطح کے منصب کا نام رب العالمین کے یہاں خلافت ہے۔ لہٰذا رب العالمین نے انسان کو خلافت عطا فرمائی۔ یہی نکتہ ہے کہ اس آیت میں خلافت کی نسبت رب کی طرف کی گئی ہے:

واذقال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفه (البقرہ:۳۰)

ترجمہ: اور ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

لیکن یہ خلافت شان ربوبیت کے ظہور کی اعلیٰ ترین سطح ضرور تھی، یہ اعلیٰ ترین مقام نہیں تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اس مقام تک ظہور چاہتی تھی جہاں سے اعلیٰ مقام دائرۂ امکان میں نہ ہو۔ اور وہ مقام وہی ہو سکتا تھا جہاں اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق اس کی شان ربوبیت سے فیض یاب ہو کر ارتباء کے اس اعلیٰ ترین مقام پر پہنچے جہاں وہ مخلوق کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ظل ہو جائے۔ اور یہی مقام مقام محمود ہے۔

تکوین کے عظیم ربانی منصوبہ کائنات میں ایک عام مسابقت جاری ہوئی۔ اللہ رب

aamirmehmood7000

ہی جانتا تھا۔ یہ بھی اسے ہی معلوم تھا کہ اس مقام خلافت سے مرتبی ہو کر کون مقام محمود تک پہنچے گا۔

چنانچہ جب عالم خلق میں تکوین و تخلیق اس مقام پر پہنچی جہاں اللہ تعالیٰ کی کھربوں مخلوقات میں سے انسان نے وہ مقام حاصل کر لیا جسے سب سے اعلیٰ سطح کہا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے خلافت سے سرفراز فرمانے کا اعلان فرمایا۔ تب یہ بات مشہور ہو گئی کہ اب مقام محمود بھی اسی مخلوق میں کوئی حاصل کرے گا۔ چنانچہ تقریباً پوری کائنات کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ کائنات میں وہ کون ذات عظیم ہے جو مقام محمود پر جانشین و جاگیر ہو گی۔ یہی مقام محمود مقام مطلوب ہے۔ یہی مقام مقام موعود ہے۔ یہی مقام مقام خلافت کبریٰ ہے۔ یہی مقام حاصل کائنات ہے۔ یہی مقام شان ربوبیت کا ظہور اتم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے اس لیے اس کا منصوبۂ ربانی پورا ہو کر رہے گا۔ کائنات کامیاب ہو کر رہے گی۔ تکوین کائنات میں شان ربوبیت ظہور اتم حاصل کر کے رہے گی اور کائنات میں کوئی اس مقام پر جاگیر ہو کر رہے گا۔

محمد

محمد کا مادہ بھی حمد ہے۔ اس لفظ کا تعلق بھی حمد ہی کی طرح بیان سے ہے۔ یہ لفظ بیان میں کئی طرح سے آیا ہے: مَحْمَدْ، مَحْمُدْ اور مُحَمَّدْ۔ مَحْمَدْ ہی دراصل وہ لفظ ہے جو احمد ہے۔ مَحْمُدْ وہی ہے جس کے میم کی تمدید اسے محمود بنا دیتی ہے۔ چنانچہ مَحْمَدْ اور محمود ایک ہی ہیں۔ اس طرح مَحْمَدْ اور احمد، مَحْمُدْ اور مَحْمُوْدْ اور مُحَمَّدْ ایک ہی ہیں۔

محمد کا مفہوم ہے وہ ذات یا فرد جس کی آرزو کی جاتی ہے یا کی گئی ہے۔ وہ فرد جس کی طلب کی جاتی ہے یا کی گئی ہے۔ وہ فرد جس کی خواہش کی جاتی ہے یا کی گئی ہے۔

چنانچہ تکوین کائنات اور تخلیق کائنات کی اصل مَحْمَدْ، اَحْمَدْ، مَحْمُدْ، مَحْمُوْدْ اور مُحَمَّدْ ہے۔ اس پورے منصوبۂ ربانی کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ جانا جائے۔ اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لیے اس نے چاہا کہ اس کی شان ربوبیت کا اظہار ہو اور یہ اظہار بصورت ظہور اتم ہو۔ کائنات میں شان ربوبیت کا ظہور ظہور اکمل و اتم کے مقام تک چلا جائے تاکہ اس کا جانا جانا درجۂ کمال تک پہنچے۔ شان ربوبیت کا وہ ظہور جو اللہ رب العالمین کے نزدیک اور اس کے ارادے میں ظہور اتم ہے وہ اس کے یہاں مَحْمَدْ، اَحْمَدْ، مَحْمُدْ،

aamirmehmood7000
Copyrighted material

مَحْمُوْدًا اور مُحَمَّدً ہے۔ یہ محمد تک کا ظہور ہی دراصل منصوبہ کائنات ہے۔ محمد ارتباء کا وہ مقام ہے جس سے آگے مخلوق کا ارتباء ممکن نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مخلوق میں شان ربوبیت کا ظہور اس مقام تک ہوتا ہے جہاں مخلوق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ظل اکمل و احسن ہو جاتی ہے۔ ارادۂ تکوین میں یہی ظہور مطلوب و مقصود ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کن کہا اور تکوین کو جاری فرمایا۔ اس کی شان ربوبیت کائنات کی ہر چیز کا ارتباء کرنے لگی۔ ارتباء کا وہ عمل جس کی تفصیل گزر چکی ہے افقی و عمودی ارتباء کی شکل لینے لگی۔ یہاں تک کہ آدم خلافت کے منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا۔ ظاہر سی بات تھی کہ اب آدم اور نسل آدم ہی وہ مخلوق تھی جس میں محمد کا ظہور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ یہ بات جانتا تھا۔ اس نے عالم امر کی تکوین میں اسے مرتبی ہوتے اور مقام محمود پر فائز ہوتے دیکھا تھا۔ یہ اسی ذات مَحْمَدْ، اَحْمَدْ، مَحْمُدْ، مَحْمُوْدًا اور مُحَمَّدً کی بات ہے جس کا ذکر ترمذی نے کیا ہے:

قال آدم بین الروح والجسد (ترمذی)

ترجمہ: کہا اور آدم ابھی روح اور جسد کے بیچ تھے۔

چنانچہ عالم امر کے بعد عالم خلق میں شان ربوبیت نے ارتباء کا عمل جاری فرمایا۔ خلق ارتباء پزیر ہونے لگی۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے اس لیے اس کی شان ربوبیت کا ظہور اتم ہو کر رہے گا۔ اور عالم خلق میں بھی مَحْمَدْ، اَحْمَدْ، مَحْمُدْ، مَحْمُوْدًا اور مُحَمَّدً کا ظہور اتم ہو گا۔ یہاں "ظہور اتم ہو گا" سے کیا مراد ہے؟

قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

عسی أن یبعثک ربک مقاما محمودا (اسریٰ:۷۹)

ترجمہ: قریب ہے کہ کھڑا کردے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں۔

اس آیت کا مقصد اسی بات کی طرف اشارہ کر کے منصوبہ ربانی کے آخری مرحلے کی وضاحت کرنا ہے۔

عالم خلق میں ارتباء کے عمل کے تحت محمد، احمد، محمد، محمود اور محمد کا ظہور تو ہو گیا ہے لیکن وہ ظہور ابھی بھی درجہ کمال تک نہیں پہنچا ہے۔ اس آیت میں اسی درجہ کمال تک پہنچنے کی تسلی دی جا رہی ہے۔ منصوبہ ربانی کے اس سخت ترین مرحلے میں (جس کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ آئے گا)

aamirmehmood7000©

تسلی دی ہے۔ مثلاً قرآن میں ارشاد فرمایا گیا:

(۱) ورفعنا لک ذکرک (الشرح:۴)

ترجمہ: اور بلند کیا ہم نے آپ کا ذکر۔

(۲) انا اعطیناک الکوثر (الکوثر:۱)

ترجمہ: بے شک ہم نے دی آپ کو کوثر

ظہور اتم تو اس دن ہو گا جب اللہ تعالیٰ الحشر میں کائنات میں صرف آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ مقام محمود پر محمد ﷺ کی یہی جانشینی و جاگیری حاصل کائنات ہے۔ یہی شان ربوبیت کا ظہور اتم ہے۔

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ الصلوۃ القائمۃ آت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ ۔ آمین یا رب العالمین

الفاتحہ

کائنات کا یہ منصوبہ ربانی کامل طور پر سورۃ الفاتحہ میں بیان کیا گیا ہے۔ جس میں سات باتیں ہیں۔ جو کائنات کو ہر لمحہ پیش نظر رہنی چاہئے۔ غالباً اس لیے اسے سبع مثانی کہا گیا ہے۔ وہ سات باتیں درج ذیل ہیں:

(۱) کائنات کا منصوبہ ربانی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الحمد للہ رب العالمین (الفاتحہ:۲۔۱)

ترجمہ: رحمٰن و رحیم اللہ کے نام سے۔ الحمد اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

اس کے تحت دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) کائنات کا پورا منصوبہ ربانی کیا ہے؟ یعنی کائنات میں شان ربوبیت کا ظہور کیا جانا۔

(۲) منصوبہ ربانی پورا ہو کر رہے گا۔ یہاں الحمد للہ رب العالمین اس الحمد للہ رب العالمین کو شامل ہے جو سورہ یونس میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

دعواھم فیھا سبحانک اللھم وتحیتھم فیھا سلام وآخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین (یونس:۱۰)

ترجمہ: ان کی دعاء اس جگہ یہ کہ پاک ذات ہے تیری یا اللہ، اور ملاقات ان کی سلام اور

aamirmehmood7000©
aamirmehmood7000
Copyrighted material

خاتمہ ان کی دعا کا اس پر کہ الحمد اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

(۲) منصوبۂ ربانی کو پورا کرنے اور اپنی شان ربوبیت کو ظہور اتم تک پہنچانے کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا ہے:

الرحمن الرحیم (الفاتحہ:۳) ترجمہ: بے حد مہربان رحم والا یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمانیت اور رحیمیت اسے پورا کر کے رہے گی۔

(۳) منصوبۂ ربانی کو پورا کر کے اور اپنی شان ربوبیت کا ظہور اتم کر کے اللہ تعالیٰ اسے ساری کائنات پر ظاہر و باہر کر دے گا۔ اور سب جان جائیں گے کہ وہ اللہ رب العالمین ہے۔

مالک یوم الدین (الفاتحہ:۴)

ترجمہ: مالک یوم جزاء کا۔

(۴) یہ منصوبۂ ربانی دراصل پوری کائنات کا ارتباء اور اس کی کامیابی ہے — اس منصوبہ کی کامیابی پوری کائنات کی کامیابی ہے اور اس کی ناکامی پوری کائنات کی ناکامی۔ لہٰذا پوری کائنات کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ بھی اس منصوبے کو کامیاب بنانے اور شان ربوبیت کے منصوبۂ ارتباء اور اس کے ظہور اتم کی جدوجہد میں شامل ہو جائے اور اس کا اقرار کرے:

ایاك نعبد وایاك نستعین (الفاتحہ:۵)

ترجمہ: تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔

(۵) اس منصوبۂ ربانی کا حصہ بن کر منشاء ربانی کی تکمیل کرنے کی عملی جدوجہد کے لیے اللہ رب العالمین سے ہدایت طلب کرنا۔

اھدنا الصراط المستقیم (الفاتحہ:۶)

ترجمہ: دکھا ہم کو صراط مستقیم

(۶) اس منصوبۂ ربانی کا حصہ بن کر اور اس ہدایت ربانی کو پا کر اس جدوجہد میں عملی طور پر شریک ہونا جو اس منصوبۂ ربانی کی تکمیل کے لیے ابتداء آفرینش سے جاری ہے۔ اور اس گروہ کا حصہ بن جانا جو اس منشاء ربانی کی تکمیل میں اللہ کی رضا کے ساتھ رہے۔

صراط الذین انعمت علیہم (الفاتحہ:۷)

aamirmehmood7000

سے براءت کی کوشش اور اس تعلق سے اللہ تعالیٰ کی استعانت طلب کرنا۔

غیر المغضوب علیہم ولا الضالین (الفاتحہ:۷)

ترجمہ: جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

aamirmehmood7000©
aamirmehmood7000
Copyrighted material

کائنات امر

الأمر

aamirmehmood7000©

امر کلام اللہ ہے۔اس کا تعلق بھی بیان سے ہے۔اس کا اصلی معنی وہی ہے جو لفظ 'لفظ' سے مفہوم ہے۔ بلاشبہ لفظ محدود ہے اور ذم کا پہلو رکھتا ہے۔ امر اس اعتبار سے محدود ہے اور نہ ہی ذم سے مملو۔ اللہ تعالیٰ جب کہتے یا حکم فرماتے ہیں اور کلمے کا صدور ہوتا ہے تو اس کو امر کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے فعل اَمَرَ کبھی مجرد اَمَرَ کے معنی میں مفہوم ہے اور کبھی اس میں اَمَرَ اور قَالَ دونوں مفاہیم شامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں جب قال کی نسبت اللہ رب العالمین کی طرف ہو تو اس کا مطلب ہے اَمَرَ۔ اور یہ امر کبھی تنہا استعمال ہوتا اور کبھی امر اور قال باہم۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

(۱) قل امر ربی بالقسط (اعراف:۲۹)

ترجمہ: اے محمد! کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے قسط کا حکم دیا ہے۔

(۲) امر ألا تعبدوا إلا اياه (یوسف:۴۰)

ترجمہ: اس نے حکم دیا کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔

(۳) اذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون (آل عمران:۴۷)

ترجمہ: وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

(۴) انما امره اذا اراد شئيا ان يقول له كن فيكون (یٰسین:۸۲)

ترجمہ: وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور ہو جاتی ہے۔

دس معانی

امر اللہ تعالیٰ کے تعلق سے کم از کم دس معنوں میں استعمال ہوا ہے[1]

(۱) لفظ: جس کا ذکر کیا جائے یعنی قول اللہ (اللہ کی بات)۔

(۲) حکم: جس کا مفہوم ہے اللہ کا حکم۔

امر الا تعبدوا الا ایاہ (یوسف:۴۰)۔

ترجمہ: اس نے تحکم دیا کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔

(۳) فیصلہ: جس کا مفہوم ہے اللہ کا فیصلہ۔

کان امر اللہ قدرا مقدورا (الاحزاب:۳۷)۔

ترجمہ: اور اللہ کا حکم تو ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔

(۴) دین: جس کا مفہوم ہے اللہ کا دین، اللہ کا تکوینی و تشریعی نظام۔

حتی جاء الحق وظہر امر اللہ وھم کارھون (التوبہ:۴۸)۔

ترجمہ: یہاں تک کہ حق آگیا اور اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہا خواہ انہیں کتنا ہی برا لگ رہا ہو۔

(۵) ضابطہ: جس کا مفہوم ہے اللہ کے دین یعنی تکوینی و تشریعی نظام کو قائم رکھنے کا قانون۔

تقطعوا امرھم بینھم (الانبیاء ۹۳)

ترجمہ: مگر (یہ لوگوں کی کارستانی ہے کہ) انہوں نے آپس میں اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

(۶) عذاب: جس کا مفہوم ہے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزا۔

فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا (ھود:۸۲)

ترجمہ: پس جب آگیا ہمارا حکم تو ہم نے ان کو تلپٹ کر دیا۔

(۷) النصر: جس کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے نظام کے متبعین اور حامیین کو اللہ کے دشمنوں کے مقابلے میں دی جانے والی مدد۔

یقولون ھل لنا من الامر من شئی قل ان الامر کلہ للہ (آل عمران:۱۵۴)

ترجمہ: یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ "اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے"؟ ان سے کہو "(کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔"

(۸) منصوبہ: جس کا مفہوم ہے اللہ کے ارادے کا بروئے کار

aamirmehmood7000©

يدبر الامر يفصل الأيات (الرعد:۲)

ترجمہ: اللہ ہی اس سارے کام کی تدبیر فرمارہا ہے۔وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

(۹) وحی: جس کا مفہوم ہے اللہ کے حکم کی وہ شکل جو بطور ہدایت کسی مخلوق کو بھیجی جائے۔

يتنزل الامر بينهن (الطلاق:۱۲)

ترجمہ: ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے۔

(۱۰) تکمیل حجت: جس کا مفہوم ہے اللہ کے منصوبے کے جواز پر اپنی حجت پوری کرنا۔

اتى امر الله فلاتستعجلوه (النحل:۱)

ترجمہ: آگیا اللہ کا فیصلہ۔اب اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔

aamirmehmood7000©

الأمور

اس لفظ کے قرآنی استعمال کا ایک لطیف پہلو یہ ہے کہ اس کی صرف ایک جمع ــــ امور ــــ کا استعمال ہوا ہے ہر چند کہ عربی زبان میں اس کی دو صورتیں رائج ہیں۔یعنی:اوامر اور امور۔ (اس تعلق سے بحث آئندہ محاور میں ملاحظہ فرمائیں)۔ قرآن میں ارشاد کردہ جمع دراصل اس لفظ امر کے بنیادی اور اصلی مفہوم کی طرف اشارہ کررہی ہے۔یعنی لفظ، فیصلہ، حکم اور منصوبہ۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف اور صرف منصوبۂ ربانی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ چنانچہ اس تعلق سے اسم یا جو فعل آئے ہیں وہ غور طلب ہیں:

(۱) إلى الله ترجع الأمور (البقرہ:۲۱۰)

ترجمہ: اور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے سب کام۔

(۲) ولله عاقبة الامور (الحج:۴۱)

ترجمہ: اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔

(۳) ألا إلى الله تصير الأمور (الشوریٰ:۵۳)

ترجمہ: سنتا ہے! اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام

جس کا صاف مفہوم ہے کہ یہ امر اور اس کی جمع امور منصوبۂ ربانی کی طرف مشارٌ الیہم ہیں۔چنانچہ اس کا مطلب یہ ہے کہ

(۱) منصوبہ تو صرف اللہ ہی کا ہے۔

Copyrighted material

(۲) اللہ کا منصوبہ ہر حال میں پورا ہو کر رہتا ہے۔
(۳) اللہ کا یہ منصوبہ ہر حال میں پورا ہو کر رہے گا۔
(۴) اللہ کے علاوہ کسی اور کا منصوبہ پورا ہوتا ہے نہ ہو گا۔

چار عوالم

پوری کائنات اللہ رب العالمین کی امر ہے۔ اس طرح پوری کائنات کو وسیع اعتبار سے عالم امر کہا جا سکتا ہے۔ لیکن عالم امر کا اطلاق بنیادی طور پر کائنات کے اس حصے پر کیا جاتا ہے جو عالم خلق نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں عالم امر اور عالم خلق کی تقسیم مخصوص معنوں میں ہی ہے۔ یعنی عالم خلق بھی محدود معنی میں اور عالم امر بھی محدود معنی میں۔ ورنہ اپنے وسیع مفہوم میں عالم خلق عالم امر کا ایک حصہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آگے کی تفصیلات سے ظاہر ہو گا۔ اس طرح کائنات کو کم از کم چار حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے:

(۱) کائنات کبریٰ: کائنات کبریٰ اپنے وسیع ترین مفہوم میں عالم امر ہے۔ قرآن میں اسی صورت کی طرف یہاں امر اشارہ کر رہا ہے:

الأمر يومئذ لله (الانفطار:۱۹)

ترجمہ: اور حکم اس دن اللہ ہی کا ہے۔

یہ کائنات کبریٰ دراصل محدود مفہوم میں عالم امر اور عالم خلق دونوں کو شامل اور دونوں پر حاوی ہے۔ چنانچہ قرآن کی اس آیت میں اس صورت حال کو صرف زمان سے ظاہر کیا گیا ہے یعنی یوم الدین اگر اس زمان کو مکان کی صورت دی جائے تو وہ کائنات کبریٰ پر ہی صادق آتی ہے۔

(۲) کائنات صغریٰ: کائنات صغریٰ اپنے وسیع ترین مفہوم میں عالم خلق ہے۔ یعنی جب کائنات کبریٰ سے عالم امر کو الگ کر دیا جائے تو جو کچھ باقی رہتا ہے وہ کائنات صغریٰ ہی ہے۔ اسے قرآن نے کبھی مجرد 'خلق' سے تعبیر کیا ہے۔

ألا لهُ الخلق والأمر (اعراف:۵۴)

ترجمہ: خبردار! خلق اسی کی ہے اور امر اسی کا ہے۔

aamirmehmood7000©

(۳) عالم کبیر: یہ دراصل عالم خلق (کبیر) کے مفہوم میں ہے۔ بادی النظر میں اس میں اور کائنات صغریٰ میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ بلاشبہ دیکھنے میں یہ دونوں بالکل ایک نظر آتے ہیں لیکن ان میں بہت باریک فرق ہے۔ بہت غور کرنے سے یہ بات محسوس ہوگی کہ کائنات صغریٰ میں عالم خلق کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے امور بھی شامل ہیں جو غیر عنصری نہیں تو ماوراء عنصری ضرور ہیں لیکن عالم کبیر دراصل عالم خلق کا خالص عنصری حصہ ہے۔ اس طرح بظاہر دونوں ایک ہوتے ہوئے بھی عالم کبیر سے کائنات صغریٰ یا الخلق بڑی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين. ثم جعلناه نطفة فى قرار مكين. ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشانا خلقا آخر فتبارك الله احسن الخالقين (المومنون: ۱۲۔۱۴)

ترجمہ: اور ہم نے بنایا انسان کو چنی ہوئی مٹی سے پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں۔ پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس جمے ہوئے لہو سے گوشت کی بوٹی پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت۔ پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں۔ سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

یہاں جس خلق کا ذکر ہے اور جس تخلیق کا ذکر ہے وہ کائنات صغریٰ سے اسفل درجے کی ہے جو خود کائنات کبریٰ سے اسفل ہے۔ اسفل سے مراد یہ ہے کہ یہاں تخلیق کا طریقہ مذکورہ دونوں کائنات سے جداگانہ اور نسبتاً کم عجیب ہے۔ یہی وہ حصہ ہے جس کی نقل کر کے یا کبھی کبھی اس کو تجربہ میں لا کر کوئی مخلوق اللہ کی نافرمانی کی کوشش کرتی ہے یا اللہ کا انکار کرنے کے لیے دعوے کرتی ہے۔ کوئی اس کو رد بہ عمل اس لیے لا سکتا ہے کہ یہاں خلق متعین و مامور سنت پر قائم کر دی گئی ہے۔ جو سنت اللہ کی غالباً سب سے نچلی قسم ہے۔ چنانچہ جب بھی کوئی چیز عین اس سنت اللہ کے مطابق ہو جائے تو خلق کا عمل واقع ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال دی جائے۔ لکڑی میں آگ لگا دی جائے تو لکڑی جل جائے گی چاہے اپنی اس سنت کے تحت اللہ خود آگ لگائے یا دو درخت آپس میں ٹکرا جائیں اور آگ لگ جائے یا کوئی انسان آگ لگائے۔ ہر صورت میں آگ لگ جائے گی اس لیے کہ آگ کا یہاں لگنا طبیعیات کی چند یا بہت سی متعین سنتوں پر قائم ہے۔ چنانچہ جیسے ہی اس سنت کے لوازم پورے ہو جاتے ہیں وہ خلق واقع ہو جاتی ہے۔ یہ سنتیں کھلی یا

aamirmehmood7000@ Copyrighted material

(Open) ہیں۔اس کے لیے جاننا، انکشاف یا تجربہ کافی ہے۔ لیکن مثلاً ہوا پل بھر میں کیلے کا خوشہ بن جائے، مرغ بن جائے، گیہوں کا دانہ بن جائے ممکن نہیں۔ یہاں ممکن نہیں سے مراد یہ ہے کہ اس کے لیے جاننا، انکشاف اور تجربہ اسے ممکن نہیں بنا سکتا۔ اس لیے کہ یہاں خلق کی وہ سنت کارفرما نہیں جس کے لیے جاننا، انکشاف یا تجربہ کافی ہو۔

چنانچہ اس خلق میں جس کا ذکر ہوا اور جہاں جاننا، انکشاف اور تجربہ کفایت کرتا ہے مخلوقات کم یا بیش اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ یعنی عام مخلوقات بھی اور خاص مخلوقات بھی۔ ہر چند کہ سبھی اس سنت اللہ کے مطابق ہی یہ کام کرتے ہیں اور سب کا خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لیے کہ اس نے اس سنت کو بنایا لیکن اس میں خلق کو بھی شریک مان لیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس خلق کے لیے جمع کا صیغہ ہی ارشاد فرمایا ہے جیسا ابھی آیات مذکورہ میں آیا ہے:

فتبارك الله احسن الخالقين.

کہیں عام مخلوقات شامل نہیں ہوتیں بلکہ صرف خاص مخلوقات ہی شامل ہوتی ہیں وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے جمع کا ہی صیغہ استعمال فرمایا ہے۔ لیکن جب صرف اپنی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے تو یہی جمع واحد کے صیغے میں بدل جاتی ہے۔ مثلاً

(۱) ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين (المومنون:۱۲)

ترجمہ: اور ہم نے بنایا انسان کو چنی ہوئی مٹی سے۔

(۲) وماخلقت الجن والانس الا ليعبدون (الذاریات:۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جو بنائے جن اور انسان سو اپنی بندگی کو۔

(۴) عالم صغیر: عالم صغیر دراصل عالم کبیر کا وحدانی حصہ ہے۔ مخلوقات میں کوئی فرد خواہ اس کا تعلق کسی نوع مخلوق سے ہو وہ اس عالم پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً انسان اور اس کا جسم، پیڑ یا چرند و پرند۔ اس کا عنصری حصہ عالم صغیر سے متعلق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ عالم صغیر دراصل دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے کو الوجه الظاهر کہا جاسکتا ہے اور دوسرے حصے کو الوجه الباطن۔

چنانچہ قرآن نے ان دونوں کی الگ الگ تشریح فرمائی ہے:

(۱) الوجه الظاهر

aamirmehmood7000©

ترجمہ:اب دیکھ لے انسان کہ وہ کس چیز سے بنا ہے۔وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے بنایا گیا ہے۔

(۲) انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه (الانسان:۲)

ترجمہ:ہم نے بنایا انسان کو مخلوط بوند سے ہم اسے پلٹتے رہے۔

(۳) وهوالذى خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا (الفرقان:۵۴)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے انسان۔پھر ٹھیرایا اس کے لیے نسب اور سسرال۔

(۲) الوجه الباطن: الوجہ الباطن کے بہت سے پہلو ہیں ان سب کا احاطہ کرتے ہوئے ذیل میں آیات کا انتخاب کیا جارہا ہے۔

(۱) لقد خلقنا الانسان فى احسن تقويم (التین:۲)

ترجمہ: ہم نے انسان کی تخلیق بہترین ساخت پر کی ہے۔

(۲) وزادكم فى الخلق بسطة (اعراف:۶۹)

ترجمہ: اور زیادہ کر دیا تمہارے بدن کا پھیلاؤ۔

(۳) زاده بسطة فى العلم والجسم (البقرہ:۲۴۷)

ترجمہ: اور زیادہ فراخی دی اس کو علم اور جسم میں

(۴) إن الله اصطفاك وطهرك واصطفاك على نساء العالمين (آل عمران:۴۲)

ترجمہ: اللہ نے تجھ کو منتخب کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجھ کو ترجیح دے کر خدمت کے لیے چن لیا۔

(۵) انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا (احزاب:۳۳)

ترجمہ: اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔

(۶) وكان الانسان عجولا (اسریٰ:۱۱)

ترجمہ:اور ہے انسان جلد باز

aamirmehmood7000©

ترجمہ: بے شک انسان بنا ہے جی کا کچا۔

(۸)وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصره غشاوة(الجاثیۃ:۲۲)

ترجمہ: اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

اس وجہ باطن کا تعلق دراصل عالم امر سے ہے۔ لیکن یہ عالم خلق سے ممزوج ہوتی ہے۔ اسی کو احادیث نے اس طرح واضح کیا ہے۔

(۱) ان الله خلق آدم علی صورته (عن ابی ہریرہ رضؓ، متفق علیہ، مشکوٰۃ باب مالا یضمن من الجنایات)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

غالباً اسی کی جانب حضرت علی کا یہ قول منسوب کیا جاتا ہے:

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"

ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو جان لیا گویا اس نے رب کی معرفت پالی۔

اس طرح یوں تو پوری کائنات ایک مفہوم میں عالم امر ہے لیکن اپنے خاص مفہوم میں کائنات کے بنیادی طور پر دو حصے کیے جاسکتے ہیں (۱) کائنات امر یا عالم امر اور (۲) کائنات خلق یا عالم خلق۔

عالم امر

چنانچہ کائنات کبریٰ سے لے کر عالم صغیر تک عالم خلق کے برابر اور متوازی ایک عالم امر جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا خالق رب اور مدبر ہے۔ اسی نے دونوں کو پیدا کیا، دونوں کا ارتباء فرمارہا ہے اور دونوں کے لیے تدبیر فرماتا ہے۔ لیکن اس وقت عالم امر کا عنوان زیر بحث ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عالم کا ایک نظام قائم کر رکھا ہے اور وہ پورا عالم اپنی جگہ برپا ہے۔

اسی عالم میں تدبیر کے تعلق سے قرآن نے ارشاد فرمایا ہے:

(۱) واذا قضی امرا فانما یقول له من فیکون (البقرہ:۱۱۷)

ترجمہ: جب وہ کسی بات کا فیصلہ لیتا ہے تو اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے۔

(۲)ثم استوی علی العرش یدبر الامر (یونس:۲)

aamirmehmood7000@
aamirmehmood7000
Copyrighted material

ترجمہ: پھر عرش پر جلوہ گر ہو کر کائنات کا انتظام چلا رہا ہے۔

(۳) فالمدبرات امرا (النازعات:۵)

ترجمہ: پھر (احکام الٰہی کے مطابق) معاملات کے انتظامات چلاتا ہے۔

(۴) فالمقسمات امرا (الذاریات:۴)

ترجمہ: پھر ایک بڑے کام کی تقسیم کرنے والی ہیں۔

چنانچہ ان آیات سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی امر فرماتا ہے وہی حقیقی اور اصلی مدبر عالم ہے۔ لیکن جس طرح عالم خلق میں بعض مخلوقات نظم خلق کے اجراء میں اس کے حکم پر عمل کرتی ہیں مثلاً اولاد کی پیدائش، کاشت، صنعت و حرفت، تعلیم و تعلم اسی طرح عالم امر میں بھی کچھ مخلوقات اللہ تعالیٰ کے نظام امر کے اجراء میں اس کے حکم پر عمل کرتی ہیں۔ انسان اس اجراء میں دونوں جگہ اللہ کے حکم پر عمل درآمد کرتا ہے۔

یہ کائنات دراصل عالم امر اور عالم خلق کا ایک امتزاج ہے۔ (واضح ہو کہ یہاں عالم امر اپنے محدود معنی میں استعمال کیا جا رہا ہے) اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الا له الخلق والامر تبارك الله رب العالمين (اعراف:۵۴)

ترجمہ: خبردار! خلق اسی کی ہے اور امر اسی کا ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ رب العالمین

مثل اور مثل الاعلیٰ

اللہ تعالیٰ کی کائنات میں عالم خلق ہو یا عالم امر دونوں جگہ وہی منصوبۂ ربانی جاری و ساری ہے۔ اور کائنات میں ارتباء کا عمل اللہ کے اس منصوبے کو پورا کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس عالم امر کا ایک اہم حصہ عالم مثال ہے۔ عالم مثال وہ غیر عنصری یا ماوراء عنصری عالم ہے جو عالم امر کا ایک حصہ ہے۔ عالم مثال میں منصوبۂ ربانی کی تکمیل کی صورتوں پر غور کرنے سے قبل ضروری ہے کہ عالم مثال کی بنیاد اور اس کی اصل مثَل پر غور کر لیا جائے۔ مثَل کیا ہے؟

مِثْل یا مَثَل کے مشہور معانی درج ذیل ہیں:

شبہ، مشابہ، نظیر، صفت، بات، کہاوت، عبرت، دلیل وغیرہ۔

واقعہ یہ ہے کہ لغت میں درج یہ معانی قرآن کی گہرائیوں کو چھو بھی نہیں پاتے۔ قرآن

aamirmehmood7000©

حصوں میں منقسم کرلیا جائے تو کسی حد تک قرآن کی ان گہرائیوں کا عرفان حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ دو حصے ہیں:

(۱) کل (۲) جزو یا فرد

اب اسے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العالمین نے اپنے ارادۂ خاص کی تکمیل کے لیے کائنات کی تکوین اور تخلیق فرمائی۔ اس نے اس میں ارتباء کا عمل جاری فرمایا۔ یہ ارتباء اللہ تعالیٰ کے منصوبۂ ربانی کی تکمیل کے لیے تھا۔ وہ منصوبۂ ربانی عالم امر میں پورا ہو چکا ہے۔ اس کی عالم خلق میں تکمیل ہو رہی ہے اور وہ بھی خلق کے نزدیک چنانچہ وہ منصوبۂ ربانی اپنی جزویات و کلیات میں پورا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ پورا منصوبہ جزوی اور کلی طور پر پورا ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ کلی منصوبہ جو اللہ تعالیٰ کے ارادے کی تکمیل ہے وہی دراصل وہ عظیم تخلیق، ارتباء اور مملکۃ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے اور جو اس کے نزدیک پورا بھی ہو چکا ہے۔ چنانچہ رب العالمین کا وہ تکمیل شدہ، تکمیل یافتہ، تکمیل کردہ، خلق شدہ، خلق یافتہ، خلق کردہ، ارتباء شدہ، ارتباء یافتہ، ارتباء کردہ، منصوبہ جو اس کی مملکۃ ہے وہ مثل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس منصوبہ کو پورا کر کے فرماتا ہے:

(۱) ولله المثل الاعلى وهو العزيز الحكيم (النحل:۶۰)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے ہے مثل الاعلیٰ اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

(۲) وهو الذى يبدؤا الخلق ثم يعيده وهو اهون عليه ولهٗ المثل الاعلىٰ فى السموت والارض وهو العزيز الحكيم (الروم:۲۷)

ترجمہ: وہی ہے جس نے خلق کی ابتداء کی پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے۔ سمٰوات و ارض میں مثل الاعلیٰ اسی کے لیے ہے اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ رب العالمین کے منصوبۂ عظیم کی وہ تکمیل شدہ صورت دراصل وہ عظیم مملکت ہے جس کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور چونکہ وہ اول و آخر ہے اس لیے اس نے فرمایا: ولهٗ المثل الاعلىٰ، ولله المثل الاعلىٰ۔ مثل کی یہ کلیات ہے۔

اس منصوبۂ ربانی کا ہر وہ فرد یا جزو جو مختلف مراحل میں صورت پزیر ہوتے ہیں اور جو اس کے نزدیک ہو چکے ہیں ان کی حقیقت مثل ہے۔ جزو کے اعتبار سے بھی اور فرد کے اعتبار سے

aamirmehmood7000

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) الم ترکیف ضرب اللہ مثلا کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء توتی اکلها کل حین باذن ربها ویضرب اللہ الامثال للناس لعلهم یتذکرون (ابراہیم:۲۵۔۲۴)

ترجمہ: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہو اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں۔

(۲) ومثل کلمة خبیثة کشجرة خبیثة اجتثت من فوق الارض مالها من قرار (ابراہیم:۲۶)

ترجمہ: اور کلمۂ خبیثہ کی مثال ایک بدذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ اس کے لیے کوئی استحکام نہیں۔

(۳) ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم، خلقهٗ من تراب ثم قال له کن فیکون (آل عمران:۵۹)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے۔ کہ اللہ نے اسے تراب سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

عالم مثال

چنانچہ وہ تخلیق اور اس میں وقوع یافتہ ارتباء جو عالم امر میں ہو چکا ہے اور عالم خلق میں زیر تخلیق اور زیر ارتباء ہے عالم مثال ہے۔ یہ عالم مثال عالم امر میں موجود عالم مثال ہے۔ یہی وہ عالم مثال ہے جس کا ذکر متعدد احادیث میں ہوا اور کچھ غیر مادی اور اعتباری چیزوں کے بارے میں بھی اس طرح کہا گیا ہے گویا وہ کوئی مادی وجود ہو۔ مثلاً اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

(۱) لما خلق اللہ الرحم قامت فقالت هذا مقام العائذ بک من القطیعة

ترجمہ: جب اللہ نے رحم کو پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو گئی اور اس نے کہا کہ میں قطع تعلق کرنے

والوں سے تیری پناہ میں آنے والوں کا مقام ہے۔

(۲) ان البقره وآل عمران تاتيان يوم القيامة كانهما غمامتان وغبايتان او فرقان من طير صواف تحاجان عن اهلها۔

ترجمہ: سورۃ البقرہ اور سورہ آل عمران قیامت کے دن دو بادلوں، غبار اور صف بستہ چڑیوں کے جھنڈ کی طرح آئیں گی جو اپنے لوگوں کے لیے دعاء کر رہی ہو نگی۔

(۳)فاذا اربعة أنهار نهران باطنان ونهران ظاهران فقلت ما هذا يا جبريل؟ قال اما الباطنان ففى الجنة وأما الظاهران فالنيل والفرات۔

ترجمہ: چنانچہ وہاں چار ندیاں تھیں۔ دو باطن کی ندیاں اور دو ظاہر کی ندیاں۔ چنانچہ میں نے جبرئیل سے پوچھا کیا ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا یہ جو باطن کی دو ندیاں ہیں یہ جنۃ میں ہیں اور جو یہ ظاہر کی دو ندیاں ہیں یہ نیل اور فرات ہیں۔

ملاءاعلیٰ

عالم امر کی جس وسعت کا ذکر کیا گیا یعنی وہ عالم امر جو کائنات کبریٰ کے اندر کائنات صغریٰ سے لے کر عالم صغیر تک پھیلا ہوا ہے اس میں ایک پورا نظام عمل جاری ہے جسے ملاءاعلیٰ کہا جاسکتا ہے۔ اس نظام میں اللہ کی مقرب مخلوقات خواہ ان کا شمار فرشتوں سے ہو یا انسانوں سے یا کسی اور مخلوق سے اللہ کے اس منصوبے کو عالم خلق میں پایۂ تکمیل تک پہنچانے اور اس ارتباء کو اللہ کے ارادے کے عین مطابق کامیاب کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ ان لوگوں کی مدد کرتی ہیں جو اللہ کے اس منصوبے کا حصہ ہیں اور اسے کامیاب کرنا چاہتی ہیں اور ان لوگوں کی راہ روکتی ہیں جو اس منصوبے کو ناکام کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن ارشاد فرماتا ہے:

(۱) الذين يحملون العرش ومن حوله يسبحون بحمد ربهم ويؤمنون به ويستغفرون للذين آمنوا ربنا وسعت كل شئى رحمة وعلما فاغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلك وقهم عذاب الجحيم۔ ربنا وادخلهم جنات عدن التى وعدتهم ومن صلح من آبائهم وازواجهم وذرياتهم انك انت العزيز الحكيم وقهم السيات من تق السيئات

aamirmehmood7000

ترجمہ: عرش الٰہی کے حامل فرشتے اور وہ جو عرش کے گرد و پیش حاضر رہتے ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: "اے ہمارے رب، تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ پس معاف کر دے اور عذاب دوزخ سے بچا لے اور ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اے ہمارے رب اور داخل کر ان کو ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو صالح ہوں (ان کو بھی وہاں ان کے ساتھ ہی پہنچا دے) تو بلاشبہ قادر مطلق اور حکیم ہے۔ اور بچا دے ان کو برائیوں سے، جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں سے بچا دیا اس پر تو نے بڑا رحم کیا، یہی بڑی کامیابی ہے۔

(۲) اذا قضى الله تعالى الأمر فى السماء ضربت الملائكة باجنحتها خضعانا لقوله كانه صلصلة على صفوان فاذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربكم قالو الحق وهو العلى الكبير (رواه البخارى: كتاب التفسير، كتاب التوحيد. ترمذى: كتاب التفسير ابن ماجه.)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرماتا ہے تو آسمان میں (اس کے حکم فرمانے کی ہیبت سے) فرشتے اپنے پر مارنے لگتے ہیں گویا کوڑے برس رہے ہوں، ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ گویا سخت چٹان پر پتھر کی بارش سے جیسی گرجدار آواز ہو، جب (کچھ دیر کے بعد) فرشتوں کے ہوش ٹھکانے آتے ہیں تو وہ آپس میں کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا تو وہ کہتے ہیں کہ الحق اور وہ سب سے بڑا اور اعلیٰ ہے۔

(۳) اذا قضى امرا سبح حملة العرش ثم يسبح أهل السماء الذين يلونهم حتى يبلغ التسبيح اهل هذه السماء الدنيا ثم قال الذين يلون حملة العرش لحملة العرش ماذا قال ربكم فيخبرونهم ماذا قال فيستخبر بعض اهل السمٰوت بعضا حتى يبلغ الخبر أهل هذه السماء. (رواه مسلم: كتاب السلام. ابن ماجه: كتاب الادب. ترمذى: كتاب

aamirmehmood7000@

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرماتا ہے تو حملۃ العرش اس کی تسبیح کرنے لگتے ہیں پھر (ان کو اس حال میں پاکر) ان کے قریبی اہل السماء تسبیح کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ ان کی تسبیح اس دنیا کے آسمان کے رہنے والوں تک پہنچتی ہے چنانچہ حملۃ العرش سے قریبی رہنے والے حملۃ العرش سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم فرمایا تو وہ انہیں اس حکم سے آگاہ کرتے ہیں اس طرح تمام آسمانوں کے رہنے والے پوچھتے ہیں ایک دوسرے سے یہاں تک کہ آسمان دنیا کے رہنے والوں کو خبر ہو جاتی ہے۔

(۴) ان الله تعالیٰ اذا احب عبدا دعا جبرائیل فقال انی أحب فلانا فاحبهٗ قال فیحبهٗ جبرائیل ثم ینادی فی السماء فیقول ان الله یحب فلانا فاحبوه فیحبه اهل السماء ثم یوضع له القبول فی الارض واذا ابغض عبدا دعا جبرائیل فیقول انی ابغض فلانا فابغضه قال فیبغضه جبرائیل ثم ینادی فی اهل السماء ان الله یبغض فلانا فابغضوه قال فیبغضونه ثم یوضع له البغضاء فی الارض۔ (رواه البخاری: کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکة، کتاب الادب، کتاب التوحید۔ مسلم: کتاب البر۔ ترمذی: کتاب التفسیر، موطاء)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے (اظہار) محبت کرتا ہے تو وہ حضرت جبرئیل کو پیش ہونے کا حکم فرماتا ہے۔ جب وہ حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اسے محبوب بنالو۔ چنانچہ حضرت جبرئیل بھی اسے محبوب بنالیتے ہیں۔ پھر وہ آسمان والوں میں منادی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے اس لیے تم سب اسے محبوب بنالو۔ پس سارے اہل آسمان انہیں محبوب بنالیتے ہیں، پھر اس کے لیے اہل ارض میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرتا ہے تو جبرئیل کو حاضر ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ جب وہ حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں فلاں سے نفرت کرتا ہوں پس تم بھی اسے قابل نفرت بنالو چنانچہ وہ بھی اسے قابل نفرت بنالیتے ہیں۔ پھر وہ آسمان والوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے نفرت کرتا ہے لہٰذا تم سب اس سے نفرت کرو چنانچہ وہ سب اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں پھر اس شخص کے لیے زمین میں نفرت رکھ دی جاتی ہے۔

aamirmehmood7000@
Copyrighted material

حظیرہ القدس

یہ ملاء اعلیٰ عالم امر کی مختلف مخلوقات پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس میں مدبران امر، مقسمان امر، دیگر ملائکہ، الروح، اور دوسرے ارواح سبھی ہیں۔ اس کا سلسلہ دراز ہو کر ان انسانوں تک پہنچتا ہے جن کے ارواح اپنی سعادت میں معیار مطلوب پر ہوتے ہیں۔ یہ سعادت خود دو اقسام پر مشتمل ہے۔ پہلی قسم اس سعادت کی ہے جسے وہبی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ بندگان خدا ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے خود منتخب فرماتا ہے اور وہ ان کی تکمیل کے لیے ہی ہوتے ہیں۔ یہ انتخاب تکوینی ہوتا ہے اور اس کا تعلق کسب سے نہیں ہوتا۔ مثلاً انبیاء دوسری وہ قسم ہے جو ان کے علاوہ ہے۔ اس میں کسب، تربیت اور اختیار کو دخل ہے۔ اس قسم میں وہ لوگ آتے ہیں جو دراصل اللہ کے اس منصوبے کو شعوری طور پر سمجھ کر اور اسے قبول اور اختیار کر کے اس کی کامیابی کے لیے اپنی زندگی اور اپنے مال کو اللہ کی رضا کے لیے جھونک دیتے ہیں۔ اللہ کی پسند جن کی پسند بن جاتی ہے۔ اللہ کی ناراضگی جن کی ناراضگی بن جاتی ہے۔ جس سے اللہ خوش ہوتا ہے ان سے یہ خوش ہوتے ہیں، جن کی اللہ سے دشمنی ہے ان کے لیے یہ دشمن ہوتے ہیں۔ اللہ کے لیے دیتے ہیں اور اللہ کے لیے دینے سے منع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے قلوب اللہ کی رضا کا آئینہ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ کی مرضیات کو سب سے پہلے سمجھتے ہیں اور اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا عمل اللہ تعالیٰ کی کلی نصرتوں کا حامل ہو جاتا ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ کائنات کی بہت سی چیزیں ان کے لیے مسخر ہو چکی ہیں جبکہ حقیقت یہ نہیں ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کی کائنات ان کے ساتھ چل رہے ہوتے ہیں بلکہ وہ اللہ کے ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔ تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ ان کے ساتھ چل رہا ہوتا ہے اور کائنات کی اشیاء پر ان کا حکم چلتا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے "کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها" ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اسکی نظر بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں، میں اس کے کان بن جاتا ہوں، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں۔ (او کمال قال)

aamirmehmood7000@...
Copyrighted material

چنانچہ ملائکہ، دیگر مقربین اور ارواح کے ساتھ ایسے نفوس قدسیہ ایک حظیرۃ کے مکین بن جاتے ہیں جسے حظیرۃ القدس کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس حظیرۃ کے افراد دراصل اس ربانی منصوبے کی کامیابی کے لیے ہی متحد و کوشاں ہوتے ہیں۔ یہ نفوس قدسیہ دراصل عالم خلق کے دیگر انسانوں اور حظیرۃ القدس کے دیگر بندوں کے درمیان واسطہ بھی ہوتے ہیں۔ روح القدس اسی حظیرہ میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ اس منصوبہ ربانی کو کامیاب کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑی مدد ہیں۔

یہاں اختصار کے ساتھ اس کا ذکر بھی بر محل ہوگا کہ اس حظیرۃ القدس کے مقابلے میں ایک حظیرۃ الخبث بھی ہے۔ جو حظیرۃ الشیطان ہے۔ اس حظیرۃ کے افراد اس ربانی منصوبے کو ناکام بنانے کے درپے ہوتے ہیں۔ لیکن اس حظیرۃ کا ذکر ان شاءاللہ بعد میں آئے گا۔

ملکوت اللہ

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ کائنات فی الواقع عالم امر ہے۔ چنانچہ اسی لیے پوری کائنات 'مثل الاعلیٰ' بھی ہے۔ اسی کا دوسرا نام ملکوت اللہ ہے۔ اس ملکوت اللہ کو ملکوت السموات والارض بھی کہا جاتا ہے۔ ملکوت اللہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے منصوبے، اس کی سلطنت، اس کی طاقت، اس کی فرمانروائی، اس کے جبروت، اس کی قدرت، اس کے لاشریک ہونے کی حیثیت کی مظہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مملکت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے:

(۱) قل لمن الارض ومن فیھا ان کنتم تعلمون۔ سیقولون للہ قل افلا تذکرون (المومنون:۸۵۔۸۴)

ترجمہ: ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو، کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کا ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ کا ہے، کہو پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟

(۲) قل من رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم۔ سیقولون للہ قل افلا تتقون (المومنون:۸۷۔۸۶)

ترجمہ: ان سے پوچھو ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا [illegible]

aamirmehmood7000

کنتم تعلمون. سیقولون للہ قل فان تسحرون (المومنون:۸۹۔۸۸)

ترجمہ: ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے اور کون ہے وہ جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لیے ہے، کہو پھر کہاں سے تم کو دھوکہ لگتا ہے؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ احسان و نعمت اپنے منصوبے پر چلنے والوں اور اسے پورا کرنے والوں میں سے انتہائی برگزیدہ لوگوں کو اپنی اس مملکت کا عینی مشاہدہ بھی کرایا ہے۔ ظاہر ہے یہ ایک عظیم الشان فضل ہے جو اس کے خاص الخاص بندوں کے حصے میں ہی آیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کا نام صراحتاً لیا ہے جنہیں اس نے اپنے فضل خاص سے اپنی اس مملکت کا عینی مشاہدہ کروایا ہے۔ اگر ان صحائف آسمانی کے مابقیہ کا اعتبار کیا جائے جو قرآن سے پہلے نازل ہوئے اور جو بے حد محرف حالت میں دستیاب ہیں تو کم از کم دو اور انبیاء کا نام اس فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے یعنی:

(۱) حضرت یحز قیمیل اور (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ان تمام حضرات والا صفات کو اللہ تعالیٰ رب العالمین نے الگ الگ قسم اور اعتبار سے ملکوت اللہ کا مشاہدہ کروایا ہے۔ اس مشاہدے کو پانچ قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام:	مشاہدۂ کائنات مع مشاہدۂ توحید
(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام:	مشاہدہ قدرت و جبروت
(۳) حضرت یحز قیمیل علیہ السلام:	مشاہدۂ قہاریت و مشاہدۂ قہم
(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام:	مشاہدہ قہاریت و عزیزیت
(۵) حضرت محمد ﷺ:	مشاہدۂ کائنات ماکان و ماھو کائن اور بعض اعتبار سے ماکان و مایکون۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے بعد اور ان سے آگے بڑھ کر عظیم الشان اور ایسا حیرتناک فضل فرمایا جس کے اظہار سے انسانی عقل عاجز ہے۔ اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم کو اپنے مثل الاعلیٰ کا مشاہدۂ عینی کرایا۔ یہ مشاہدۂ عینی اللہ تعالیٰ

aamirmehmood7000@
aamirmehmood7000
Copyrighted material